یوسف قرآن

محسن قرائتی

مومنین کے لئے خوشخبری

Whatsapp پر دینی معلومات جیسے کہ عقائد،

اخلاقیات، درس قرآن

فقہی مسائل، (خواتین کے مخصوص مسائل)

وظیفے، میمبرز کے فقہی سوالات، جو وہ الگ سے پوچھ سکتے ہیں

کلمات امیر المومنینؑ از نہج البلاغہ، احادیث معصومینؑ

ہر مناسبت کے حوالے سے اعمال

دعائیں اور دیگر دینی معلومات حاصل کرنے کے لئے قرآن و عترت

کے گروپ کو جوائن کریں۔

قرآن و عترت اکیڈمی کے گروپ میں شامل ہونے کے لئے ان

میں سے کسی ایک پر کلک کریں۔

تمام گروپ میں مشترکہ نشریات بھیجی جاتی ہیں اسلئے ایک سے زائد گروپ میں شامل نہ ہوں تاکہ دوسرے بھی شامل ہو کر استفادہ کر سکیں۔
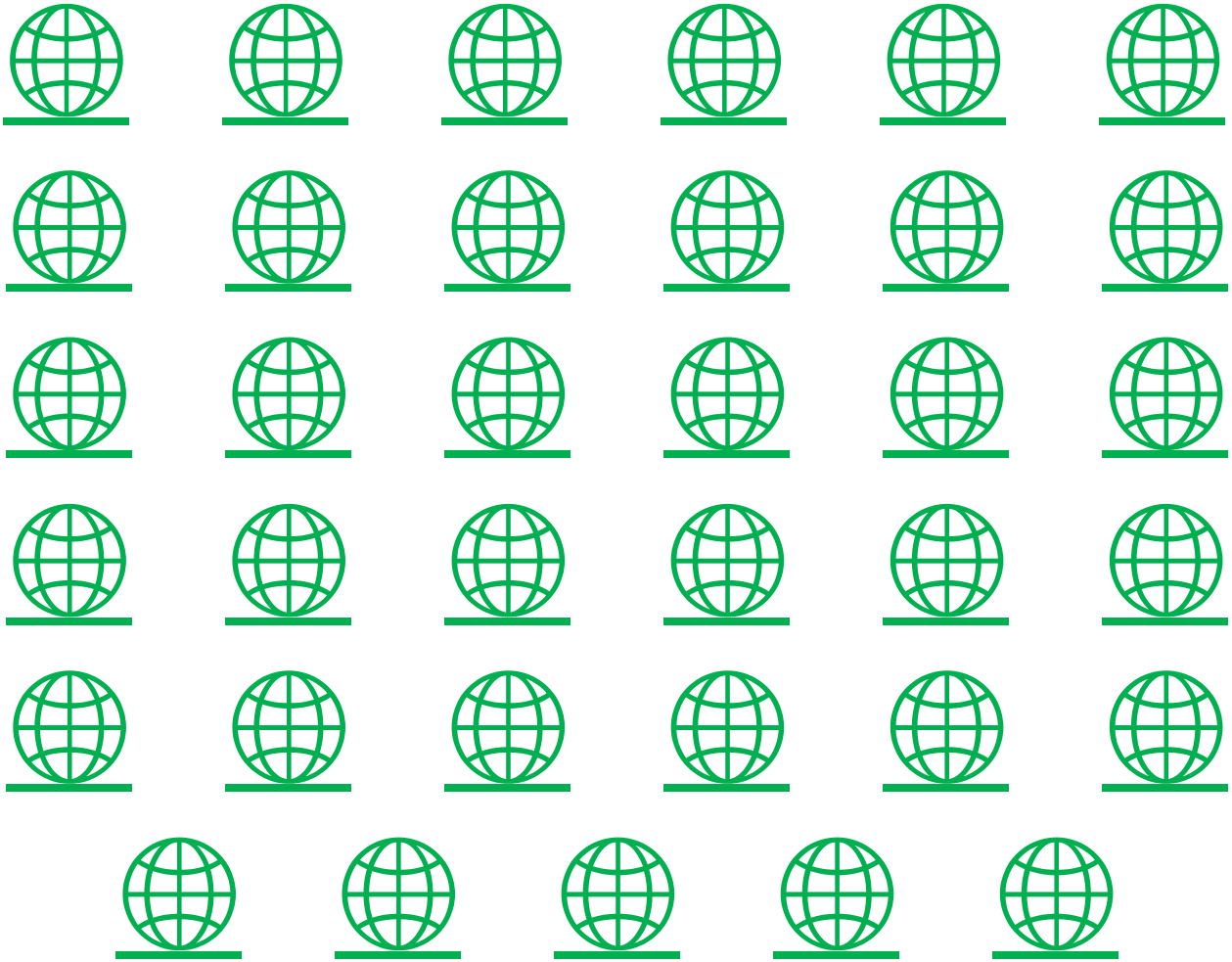
قرآن و عترت اکیڈمی کی دینی ویڈیوز Youtube پر دیکھنے کے لئے ہمارے Youtube channel کو Subscribe کریں

اسلامی گرافکس کے لئے Instagram پر Follow کریں

یوسف قرآن

استاد محسن قرائتی

مترجم: سید مراد رضا رضوی

مجمع جہانی اہل بیت (ع)

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف اول

جب آفتاب عالم تاب افق پر نمودار ہوتا ہے کائنات کی ہر چیز اپنی صلاحیت و ظرفیت کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتی ہے حتی ننھے ننھے پودے اس کی کرنوں سے سبزی حاصل کرتے اور غنچہ و کلیاں رنگ و نکھار پیدا کرلیتی ہیں تاریکیاں کافور اور کوچہ و راہ اجالوں سے پرنور ہوجاتے ہیں، چنانچہ متمدن دنیا سے دور عرب کی سنگلاخ وادیوں میں قدرت کی فیاضیوں سے جس وقت اسلام کا سورج طلوع ہوا، دنیا کی ہر فرد اور ہر قوم نے قوت و قابلیت کے اعتبار سے فیض اٹھایا۔

اسلام کے مبلغ و موسس سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ (ص) غار حراء سے مشعل حق لے کر آئے اور علم و آگہی کی پیاسی اس دنیا کو چشمۂ حق و حقیقت سے سیراب کردیا، آپ کے تمام الٰہی پیغامات ایک ایک عقیدہ اور ایک ایک عمل فطرت انسانی سے ہم آہنگ ارتقائے بشریت کی ضرورت تھا، اس لئے 23 برس کے مختصر عرصے میں ہی اسلام کی عالمتاب شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں اور اس وقت دنیا پر حکمراں ایران و روم کی قدیم تہذیبیں اسلامی قدروں کے سامنے ماند پڑ گئیں، وہ تہذیبی اصنام جو صرف دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں اگر حرکت و عمل سے عاری ہوں اور انسانیت کو سمت دینے کا حوصلہ، ولولہ اور شعور نہ رکھتے تو مذہبِ عقل و آگہی سے روبرو ہونے کی توانائی کھودیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ کہ ایک چوتھائی صدی سے بھی کم مدت میں اسلام نے تمام ادیان و مذاہب اور تہذیب و روایات پر غلبہ حاصل کرلیا۔

اگرچہ رسول اسلام (ص) کی یہ گرانبہا میراث کہ جس کی اہل بیت علیہم السلام اوران کے پیرووں نے خود کو طوفانی خطرات سے گزار کر حفاظت و پاسبانی کی ہے، وقت کے ہاتھوں خود فرزندان اسلام کی بے توجہی اور ناقدری کے سبب ایک طویل عرصے کے لئے تنگنائیوں کا شکار ہوکر اپنی عمومی افادیت کو عام کرنے سے محروم کردئی گئی تھی، پھر بھی حکومت و سیاست کے عتاب کی پروا کئے بغیر مکتب اہل بیت علیہم السلام نے اپنا چشمۂ فیض جاری رکھا اور چودہ سو سال کے عرصے میں بہت سے ایسے جلیل القدر علماء و دانشور دنیائے اسلام کو تقدیم کئے جنھوں نے بیرونی افکار و نظریات سے متاثر اسلام و قرآن مخالف فکری و نظری موجوں کی زد پر اپنی حق آگین تحریروں اور تقریروں سے مکتب اسلام کی پشتپناہی کی ہے اور ہر دور اور ہر زمانے میں ہر قسم کے شکوک و

شبہات کا ازالہ کیا ہے، خاص طور پر عصر حاضر میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ساری دنیا کی نگاہیں ایک بار پھر اسلام و قرآن اور مکتب اہل بیت علیہم السلام کی طرف اٹھی اور گڑی ہوئی ہیں، دشمنان اسلام اس فکری و معنوی قوت واقتدار کو توڑنے کے لئے اور دوستداران اسلام اس مذہبی اور ثقافتی موج کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے اور کامیاب و کامراں زندگی حاصل کرنے کے لئے بے چین و بے تاب ہیں، یہ زمانہ علمی اور فکری مقابلے کا زمانہ ہے اور جو مکتب بھی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے بہتر طریقوں سے فائدہ اٹھا کر انسانی عقل و شعور کو جذب کرنے والے افکار و نظریات دنیا تک پہنچائے گا، وہ اس میدان میں آگے نکل جائے گا۔

(عالمی اہل بیت (ع) کونسل) مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام نے بھی مسلمانوں خاص طور پر اہل بیت (ع) عصمت و طہارت کے پیرووں کے درمیان ہم فکری و یکجہتی کو فروغ دینا وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس راہ میں قدم اٹھایا ہے کہ اس نورانی تحریک میں حصہ لے کر بہتر انداز سے اپنا فریضہ ادا کرے، تاکہ موجودہ دنیائے بشریت جو قرآن و عترت کے صاف و شفاف معارف کی پیاسی ہے زیادہ سے زیادہ عشق و معنویت سے سرشار اسلام کے اس مکتب عرفان و ولایت سے سیراب ہوسکے، ہمیں یقین ہے عقل و خرد پر استوار ماہرانہ انداز میں اگر اہل بیت (ع) عصمت و طہارت کی ثقافت کو عام کیا جائے اور حریت و بیداری کے علمبردار خاندان نبوت (ص) و رسالت کی جاوداں میراث اپنے صحیح خدو خال میں دنیا تک پہنچادی جائے تو اخلاق و انسانیت

کے دشمن، انانیت کے شکار، سامراجی خوں خواروں کی نام نہاد تہذیب و ثقافت اور عصر حاضر کی ترقی یافتہ جہالت سے تھکی ماندی آدمیت کو امن و نجات کی دعوتوں کے ذریعہ امام عصر (عج) کی عالمی حکومت کے استقبال کے لئے تیار کیا جاسکتا ہے۔

ہم اس راہ میں تمام علمی و تحقیقی کوششوں کے لئے محققین و مصنفین کے شکر گزار ہیں اور خود کو مؤلفین و مترجمین کا ادنیٰ خدمتگار تصور کرتے ہیں، زیر نظر کتاب، مکتب اہل بیت علیہم السلام کی ترویج و اشاعت کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، استاد محسن قرائتی کی گرانقدر کتاب یوسف قرآن کو مولانا سید مراد رضا رضوی نے اردو زبان ہیں اپنے ترجمہ سے آراستہ کیا ہے جس کے لئے ہم دونوں کے شکر گزار ہیں اور مزید توفیقات کے آرزومند ہیں ،اسی منزل میں ہم اپنے تمام دوستوں اور معاونین کا بھی صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنھوں نے اس کتاب کے منظر

عام تک آنے میں کسی بھی عنوان سے زحمت اٹھائی ہے، خدا کرے کہ ثقافتی میدان میں یہ ادنیٰ جہاد رضائے مولیٰ کا باعث قرار پائے۔

والسلام مع الاکرام

مدیر امور ثقافت،
مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

گفتار مؤلف

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین

انبیاء گرامی (ع) خصوصا پیغمبراسلام (ص) اور آپ (ص) کے اہل بیت علیہم السلام پر خداوند متعال، فرشتوں اور اس کے اولیاء کا درود وسلام ہو۔خدا کا شکرادا کرتا ہوں کہ اب تک قرآن مجید کے پچیس (25) پاروں کی تفسیر لکھ چکا ہوں اور پانچ سالوں میں دس ایڈیشن سے زیادہ شائع ہوچکے ہیں ۔نیز 1376 شمسی ہیں یہ کتاب بعنوان ''کتاب سال جمہوری اسلامی ایران '' کااعزاز بھی حاصل کرچکی ہے ۔خداوندعالم کالطف وکرم ہے کہ اس تفسیر کا خلاصہ بیس سے زیادہ زبانوں ہیں ترجمہ ہوچکاہے اور دوسرے ممالک میں ریڈیو پر بھی نشر ہواہے اس کے علاوہ یہ تفسیر دوسرے مسلمانوں کے درمیان بھی مورد استقبال قرار پائی ہے اگرچہ سورہ

یوسف تفسیر نور کی چھٹی جلد میں شائع ہو چکا ہے ۔ لیکن چونکہ داستان حضرت یوسف علیہ السلام بہت شیریں اور پر کشش ہے. علاوہ ازیں نئی نسل کی تفسیر سے آشنائی اور قرآن کریم کے لطائف اور اشارات و نکات سے معرفت کے لئے بہترین راہ قرآنی داستانیں ہیں ۔لہٰذا ہم نے یہ ارادہ کیا کہ تفسیر نور کے اس حصہ کو علیحدہ شائع کراؤں تاکہ وہ لوگ جو پوری تفسیر کے مطالعہ کا وقت یا حوصلہ نہیں رکھتے یا تفسیر کاایک مکمل دورہ (set)خریدنے کی صلاحیت نہیں رکھتے وہ بالکل محروم نہ رہ جائیں بلکہ کم از کم قرآن کے کچھ حصہ اور اس کی تفسیر سے آشنا ہو جائیں۔

ہمارے جوانوں کو اس کتاب کے مطالعہ کے بعد یقین ہو جائے گا کہ کس طرح خداوند عالم نے قرآن مجید کے (تقریباً) بارہ صفحات میں ایک ایسی داستان بیان فرمائی ہے جس میں ہزاروں نکات

پوشیدہ ہیں ۔ میں اپنی کم معلومات کے باوجود تقریباً نو سو (900) نکات حاصل کرکے اس کتاب میں آپ کے سامنے پیش کررہاہوں ۔اس داستان میں تمام سازشوں پر خداکے ارادہ کاغلبہ ،بدترین اور سخت ترین حالات میں ایک جوان کی پاکدامنی، تدبیر وحکمت سے ایک قحط زدہ ملک کو نجات دلانا ، تلخ حوادث کے مقابلہ میں ایک بوڑھے باپ کاصبر ،حاسدوں کے مقابلے میں عفو وبخشش، نیک کردار افراد پر خداکا خاص لطف موجود ہے اس کے علاوہ سینکڑوں تربیتی ، خاندانی،اجتماعی ،سیاسی ،اعتقادی ،اور انتظامی نکتے بھی ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس سورہ کا مطالعہ دنیائے تفسیر میں وارد ہونے کے لئے بہترین راستہ قرار پائے گا۔ لیکن اس کے باوجود جلد بازی میں قضاوت کرنا نہیں چاہتابلکہ کتاب کے مطالعہ کے بعداس سلسلے میں آپ کے فیصلے کامنتظر ہوں۔

بہرحال جو کچھ بھی ہے خداوند متعال ، انبیاء (ع)، ائمہ معصومین (ع)، مراجع ، علماء اور مدرسین کے وسیلے سے ہم تک پہنچا ہے اس کے علاوہ ہمیں اسلامی انقلاب ، امام خمینی (رح) اور شہداء کے خون نے قرآن مجید سے انس اور اس میں غور و فکر کی راہ عنایت فرمائی ہے جس کے شکر سے ہم عاجز ہیں۔ جن افراد کے ذہن میں کوئی نئے نکات یا اعتراضات پیدا ہوں، ہمیں ان سے آگاہ فرمائیں، ہم ان کے شکر گزار ہوں گے۔

محسن قرائتی

1379-3-21 شمسی

سورہ یوسف کا رخ زیبا

سورہ یوسف مکی سورتوں میں شمار ہوتا ہے۔اس کی ایک سو گیارہ (111) آیتیں ہیں ، حضرت یوسف علیہ السلام کا نام قرآن میں 27/مرتبہ آیا ہے جس میں پچیس بار خود اسی سورہ میں ہے اس سورہ کی آیتیں آپس میں ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں اور چند فصلوں میں جذاب انداز اور خلاصہ کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کی داستان کو بچپن سے لے کر مصر کی خزانہ داری تک بیان کیا گیا ،آپ (ع) کی عفت و پاکدامنی ،آپ (ع) کے خلاف تمام سازشوں کا پردہ فاش ہونا اور قدرت الٰہی کی جلوہ نمائی اس سورہ میں نمایاں ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی داستان فقط اسی سورہ میں بیان ہوئی ہے ۔ جبکہ دوسرے انبیاء (ع) کی داستانیں مختلف سوروں

میں موجود ہے۔[1] حضرت یوسف علیہ السلام کی داستان توریت کی ''کتاب پیدائش'' میں فصل نمبر 37 سے لیکر پچاس 50 تک مذکور ہے۔

لیکن قرآن اور توریت کا تقابلی جائزہ لینے سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ قرآن محفوظ ہے اور تورات میں تحریف ہوئی ہے۔

ادبی دنیا میں بھی یوسف و زلیخا کی داستان ایک خاص اہمیت کی حامل ہے۔ ''نظامی گنجوی کی منظوم یوسف و زلیخا'' ''فردوسی کی طرف منسوب یوسف و زلیخا'' کا نام اس ادبی دنیا میں لیا جاسکتا ہے۔

----

(1) حضرت آدم و نوح (علیہما السلام) دونوں کی داستانیں بارہ 12 سورتوں میں ، داستان حضرت ابراہیم (ع) اٹھارہ 18 سورتوں میں ، داستان حضرت صالح(ع) گیارہ 11/سورتوں میں،

حضرت داؤود (ع) کا واقعہ پانچ سورتوں میں ، حضرت ہود (ع) و سلیمان (ع) دونوں کی داستانیں چار 4 سورتوں میں اور حضرت عیسیٰ (ع) و زکری (ع) کی داستانیں تین 3 سورتوں میں مذکور ہیں۔ تفسیر حدائق .

قرآن حضرت یوسف علیہ السلام کی داستان میں خود آپ (ع) کی شخصیت کو حوادث کی بھٹی سے گزرنے ہی کو داستان کا اصلی مرکز و محور قرار دیتا ہے۔

جبکہ دوسرے انبیاء (ع) کی داستانوں میں زیادہ تر مخالفین کا انجام ، ان کی ہٹ دھرمی اور ان کی ہلاکت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

بعض روایتوں میں عورتوں کو سورہ یوسف کی تعلیم سے روکا گیا ہے لیکن بعض صاحبان نظر کے نزدیک ان روایتوں کی سند معتبر نہیں ہے۔(2)

اس کے علاوہ نہی کا سبب ؛ عزیز مصر کی بیوی زلیخا کا عشق کرنا ہے ،جس میں قرآنی بیان کی بنیاد پر کوئی منفی پہلو نہیں ہے۔

----

(2) تفسیر نمونہ.

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا رحم کرنے والا مہربان ہے۔

آیت 1:

(1) الٓرٰ تِلْکَ اٰ یاتُ الْکِتَابِ الْمُبِینِ.

''الف لام را وہ واضح اور روشن کتاب کی آیتیں ہیں''۔

آیت 2:

(2) اِنّآ اَنْزَلْنَاہُ قُرْ اناً عَرَبِیّاً لَعَلّکُمْ تَعْقِلُوْنَ.

''ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھو''.

نکات:

قرآن جس زبان میں بھی نازل ہوتا دوسروں پر اس سے آشنائی لازم ہوتی لیکن قرآن کا عربی زبان میں نازل ہونا ایک خاص امتیاز کاحامل ہے، ان میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

الف۔ عربی زبان کی لغات اتنی وسیع اور اس کے قوانین اتنے محکم ہیں کہ دوسری زبانوں میں ایسی باتیں نہیں ملتیں۔

ب۔ روایات کے مطابق اہل جنت کی زبان عربی ہے۔

ج۔ جس علاقے کے لوگوں میں قرآن نازل ہوا ان کی زبان عربی تھی لہٰذا آسمانی کتاب کا کسی دوسری زبان میں ہونا ممکن نہ تھا۔

خداوند عالم نے قرآن مجید کے بھیجنے کے طریقے کو ''نزول'' کہا ہے جیساکہ بارش کے سلسلے میں بھی ''نزول'' ہی استعمال کیا گیا ہے قرآن اور بارش کے درمیان کچھ ایسی مشابہتیں ہیں جن کا ذکر مناسب ہے:

الف۔ دونوں آسمان سے نازل ہوتے ہیں (نزّلنا) [1]

ب۔ دونوں خود بھی پاک ہیں اور دوسروں کو پاک کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں (لیطهرکم) [2] (یزکّیهم) (3)

ج۔ دونوں زندگی کا وسیلہ ہیں (دعاکم لما یحییکم) [4] (لنحی به بلدمیتا) [5]

د۔ دونوں باعث برکت ہیں (مبارکاً) [6]

----

(1) سورہ ق آیت 9.

(2)يُنزّل عليكم من السماء ماء ليُطهرّكم بہ۔انفال،آیت 11.

(3)ربناوابعث فیهم رسولاً ... یعلمهم الکتاب والحکم ویزکیهم۔بقرہ آیت 129.

(4)انفال آیت 24.

(5)فرقان آیت 49.

(6)هذا کتاب انزلناہ مبارک انعام آیت 92 نزّلنا من السماء ماء مبارکا۔(سورہ ق آیت 9.

ھ۔ قرآن بارش کی طرح قطرہ قطرہ ، آیت آیت نازل ہوا ہے (نزول تدریجی)

شائذ قرآن کے عربی ہونے پر تاکید کی وجہ یہ ہو کہ ان لوگوں کا جواب دے دیا جائے جو کہتے ہیں کہ قرآن کو ایک عجمی شخص نے پیغمبر اسلام (ص) کو سکھایا تھا۔ (1)

پیام:

1۔ قرآن خود معجزہ ہے اس میں معجزات کی تمام اقسام: علمی ، تاریخی ، عینی سب شامل ہیں اس میں انہیں حروف تہجی کو استعمال کیا گیا ہے جنہیں تم استعمال کرتے ہو۔ (الــر) (سورہ کی پہلی آیت میں اسی طرف اشارہ ہے)

2۔ قرآن کا مقام و مرتبہ بہت بزرگ و برتر ہے (تلک)

3۔ قرآن عربی زبان میں ہے لہٰذا دوسری زبانوں میں اس کاترجمہ نماز میں عربی کا قائم مقام نہیں ہوسکتا(قرآناً عربی)

4۔ایک طرف قرآن کا عربی میں نازل ہونا، اور دوسری طرف اس میں تدبراور غور و فکر کا حکم اس بات کی علامت ہے کہ تمام مسلمانوں پر عربی زبان سے آشنائی لازمی ہے(قرآناً عربی)

5-قرآن فقط تلاوت ، تبرّک اور حفظ کے لئے نہیں ہے بلکہ بشر کے لئے تعقل اور تکامل کا ذریعہ ہے۔(لعلکم تعقلون)

----

(1)۔۔وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِى يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِىٌّ وَهَذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُبِينٌ. (سورہ نحل آیت 103)

آیت 3:

(3) نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْکَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْکَ هَذَا الْقُرْآنَ وَإِنْ كُنتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ.

''ہم اس قرآن کو آپ کی طرف وحی کرکے آپ سے ایک نہایت عمدہ قصہ بیان کرتے ہیں اگرچہ آپ اس سے پہلے (ان واقعات سے بالکل) بے خبر تھے''۔

نکات:

''قصص'' داستان اور بیانِ داستان دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

قصہ اور داستان انسان کی تربیت میں قابل توجہ حصہ رکھتے ہیں کیونکہ داستان ایک امت کی زندگی کا عینی مجسمہ اور عملی تجربہ ہے۔

تاریخ اقوام کا آئینہ ہے ہم جس قدر ماضی کی تاریخ سے آشنا ہوں گے اتنا ہی محسوس ہو گا کہ ہم نے ان لوگوں کی عمر کے برابر زندگی گزاری ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ کے مکتوب نمبر 31 میں اپنے فرزند امام حسن علیہ السلام کو مخاطب کرکے کچھ باتیں بیان فرمائی ہیں جن کا مضمون یہ ہے:

''اے میرے لخت جگر! میں نے ماضی کی تاریخ اور سر گزشت کا اس طریقے سے مطالعہ کیا ہے اور آگاہ ہوں گویا میں نے ان لوگوں کے ساتھ زندگی گزاری ہو اور ان کی عمر پائی ہو''۔

شاید انسان پر قصہ اور داستان کی تاثیر کی وجہ یہ ہو کہ انسان داستان سے قلبی لگ رکھتا ہے تاریخی کتابیں اور داستانی آثار معمولاً تاریخ بشریت میں ایک خاص اہمیت کے حامل اور اکثر لوگوں کے لئے قابل فہم رہے ہیں۔ جبکہ عقلی واستدلالی بحثوں کو بہت کم افراد ہی درک کرپاتے ہیں۔

قرآن مجید نے حضرت یوسف علیہ السلام کی داستان کو بعنوان ''احسن القصص'' یاد کیا ہے لیکن روایات میں پورے قرآن کو ''احسن القصص'' کہا گیا ہے۔یقینا ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے اس لئے کہ پورا قرآن تمام کتب آسمانی کے درمیان ''احسن القصص'' ہے جبکہ سورہ یوسف تمام قرآنی سورتوں میں ''احسن القصص'' ہے۔(1)(2)

----

(1) تفسیر کنزالد قائق.

(2) اگر آیت کے اس ٹکڑے ''احسن القصص'' کو بغور دیکھا جائے تو اس توجیح کی ضرورت پیش نہیں آئے گی جسے صاحب کنزالد قائق نے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ یہاں بہترین داستان مقصود نہیں ہے اس لئے کہ قصہ کی جمع ''قَصص'' نہیں بلکہ ''قِصص'' ہے یہاں خداوند متعال کا مقصود یہ ہے کہ ہم قصہ گوئی کا بہترین طریقہ اور اس کی روش بیان کررہے ہیں یعنی پورا قرآن ''احسن القصص'' ہے لیکن اس سورہ میں بہترین شیوہ اور اسلوب کو بروئے کار لایا گیا ہے۔ پورے سورہ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات واضح ہوجائے گی کہ کون سا بہترین شیوہ یہاں استعمال کیا گیا ہے۔ جو قصہ گوئی کے فن سے آگاہ ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ بہترین قصہ وہ ہے جو با مقصد ہو۔ قرآن مجید کے سارے سورے با مقصد ہیں اور وہ بھی عالی ترین مقصد جو ہدایت

ہے وہ اس سورہ میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ لیکن دوسری شرط یہ ہے کہ قصہ ایک جگہ بیان کیا جائے اسی لئے جو چاشنی ایک مکمل ناول میں ہوتی ہے وہ قسط وار میں نہیں ہوتی ۔ یہی وہ بہترین روش ہے جو اس سورے میں استعمال کی گئ ہے۔ اس سے قبل آپ نے ''سورہ یوسف کا رخ زیبا'' عنوان میں ملاحظہ فرمایا کہ دوسرے انبیاء (ع) کی داستان قرآن مجید کے مختلف سوروں میں ملتی ہے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ فقط اسی سورہ میں ہے وہ بھی اپنی خاص زیبائی و خوبصورتی کے ساتھ لہٰذا پورا قرآن احسن القصص ہے لیکن جناب یوسف کا قصہ ، قصہ گوئی کے تمام فنون سے بہرہ مند ہے۔ (مترجم)

دوسری داستانوں سے قرآنی داستانوں کا فرق:

1۔ قصہ کہنے والا خدا ہے (نحن نقص)[1]

2۔ با مقصد ہے (نقص علیک من انباء الرسل ما نثبّت به فادک)[2]

3۔ صحیح اور سچ ہے نہ کہ خیال و تصور۔ (نقص علیک نبأهم بالحق)[3]

4۔ علمی بنیاد پر ہے نہ کہ وہمی و گمانی (فلنقصّنّ علیهم بعلم)[4]

5۔ وسیلہ تفکر ہے نہ کہ ذریعہ بے حسی (فاقصص القصص لعلهم یتفکرون)[5]

6۔ عبرت و نصیحت کا ذریعہ ہے نہ کہ تفریح و سرگرمی (کان فی قصصهم عبر)[6]

----

(1) سورہ یوسف آیت 3 .

(2) سورہ ہود، آیت 120 .

(3) سورہ کہف آیت 13 .

(4) سورہ اعراف آیت 7 .

(5) سورہ اعراف آیت 176 .

(6) سورہ یوسف آیت 111 .

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ''احســـن القصــص '' ہے،

چونکہ:

1۔ تمام قصوں میں معتبرترین قصہ ہے۔(بما اوحین)

2۔ اس داستان میں عظیم ترین جہاد (جسے جہاد بالنفس سے تعبیر کیا گیا ہے)کا تذکرہ ہے۔

3۔اس داستان کا مرکزی کردار ایک ایسا نوجوان ہے جو تمام انسانی کمالات کا حامل ہے(یعنی صبر، تقویٰ، پاکدامنی، ایمان، امانت، حکمت، بخشش،احسان، وغیرہ)

4۔ اس داستان کے تمام افراد آخرکار خوشبخت ہوگئے، مثلاًحضرت یوسف (ع) بادشاہ ہوگئے جناب یوسف (ع)کے بھائیوںنے توبہ کرلی،آپ (ع)کے پدر بزرگوار کی بینائی لوٹ آئی،

قحط زدہ ملک کو نجات مل گئی ، مایوسی اور حسادت ، وصال اور محبت میں تبدیل ہو گئی۔

5۔اس قصے میں تمام اضداد کو ایک دوسرے کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ مثلاًفراق ووصال، خوشی و غم ، خشک سالی و سبزہ زاری ، وفاداری و جفاکاری ، مالک و مملوک ، کنواں اور محل ، فقر و غنا، غلامی و بادشاہی ، نابینائی وبینائی ، ناجائز تہمت اور پاکدامنی۔

فقط الٰہی قصے ہی نہیں بلکہ خداوند عالم کے تمام کام ''عمدہ '' ہیں اس لئے کہ وہ :

بہترین پیدا کرنے والا ہے۔احسن الخالقین [1]

بہترین کتاب کا نازل کرنے والا ہے۔نزّل احسن الحدیث [2]

بہترین صورت بنانے والا ہے۔فاحسن صورکم [3]

بہترین دین کا مالک ہے۔و من احسن دینا ممن اسلم وجھہ للّٰہ [4]

بہترین جزا دینے والا ہے لیجزیھم اللہ احسن ما عملوا [5]

اورخداوندعالم ان تمام اچھائیوں کے مقابلے میں انسان سے بہترین عمل چاہتا ہےلیبلوکم ایّکم احسن عملا [6]

قرآن مجید میں غفلت کے تین معانی بیان ہوئے ہیں :

الف۔بری غفلت: (و انّ کثیرا مـــن النـــاس عـــن ایاتنـــا لغافلون)[7] اگرچہ بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل رہتے ہیں۔

ب۔اچھی غفلت: (الـــذین یرمـــون المحصـــنات الغـــافلات المومنات

----

(1) سورہ مومنون آیت 14.

(2) سورہ زمر آیت 23.

(3) سورہ غافر آیت 64.

(4) سورہ نساء آیت 125.

(5) سورہ نور آیت 38.

(6) سورہ ہود آیت 7.

(7) سورہ یونس آیت 92.

لعنوا فی الدنیا والاخر) [1]جو لوگ بے خبر پاک دامن مومنہ عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیاوآخرت میں لعنت ہے۔

ج۔ طبیعی غفلت: یعنی آگاہ نہ ہونا(و ان کنت من قبلہ لمن الغافلین)

پیام:

1۔قرآنی داستانوں میں قصہ گو، خود خداوند عالم ہے(نحن نقص)

2۔دوسروں کے لئے نمونہ پیش کرنے کے لئے بہترین افراد کا انتخاب اور تعارف کروائیں۔(احسن)

3۔ قرآن ''احسن الحدیث'' اور سورہ یوسف ''احسن القصص'' ہے(احسن القصص)

4۔ بہترین داستان وہ ہے جو وحی کی بنیاد پر ہو (احسن القصص بما اوحین)

5۔ قرآن شریف بہترین اور خوبصورت انداز میں داستان بیان کرنے والا ہے۔ (احسن القصص)

6- پیغمبر گرامی (ص) وحی کے نازل ہونے سے پہلے '' گزشتہ تاریخ'' سے ناآشنا تھے ... (لمن الغافلین)

----

(1) سورہ نور آیت 23.

آیت 4:

(4) إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَاأَبَتِ إِنِّى رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِى سَاجِدِينَ

'' (وہ وقت یاد کرو) جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا: اے بابا! میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ یہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں''۔

نکات:

حضرت یوسف علیہ السلام کی داستان خواب سے شروع ہوتی ہے تفسیر المیزان میں علامہ طباطبائی (رح) فرماتے ہیں حضرت یوسف علیہ السلام کی داستان ایک ایسے خواب سے شروع ہوتی ہے جو انہیں بشارت دیتا ہے اور مستقبل کے بارے میں روشن

امید دلاتا ہے تا کہ انہیں تربیت الٰہی کی راہ میں صابر و بردبار بنائے
۔

جناب یوسف (ع) حضرت یعقوب (ع)کے گیارہویں فرزند ہیں جو بنیامین کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ بنیامین کے علاوہ دوسرے بھائی دوسری ماں سے ہیں۔ حضرت یعقوب (ع) حضرت اسحاق (ع)کے اور حضرت اسحاق (ع) حضرت ابراہیم (ع)کے فرزند ہیں[1]۔

اولیاءِ الٰہی کے خواب مختلف ہوتے ہیں۔ کبھی تعبیر کے محتاج ہوتے ہیں جیسے حضرت یوسف (ع)کا خواب اور کبھی تعبیر کی ضرورت نہیں ہوتی ہے جیسے حضرت ابراہیم کا خواب جس میں حضرت اسماعیل (ع) کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

----

(1) تفسیر مجمع البیان.

خواب کے سلسلے میں ایک اور گفتگو

پیغمبر اکرم (ص) فرماتے ہیں : الرویا ثلاث : بشری من اللہ ، تحزین من الشیطان والذی یحدث بہ الانسان نفسہ فیراہ فی منامہ (1)

یعنی خواب کی تین قسمیں ہیں: (الف)خدا کی طرف سے بشارت۔ (ب) شیطان کی طرف سے غم و غصہ (ج) وہ مشکلات جن سے انسان روزمرہ دچار ہوتا ہے پھر انہیں خواب میں دیکھتا ہے۔

بعض دانشمند اور علوم نفسیات کے ماہرین خواب دیکھنے کو شکست اور ناکامی کا نتیجہ سمجھتے ہیں وہ اپنی بات کو مستند کرنے کے لئے ایک پرانی ضرب المثل پیش کرتے ہیں ''شتر در خواب بیند پنبہ دانہ'' جسے اردو میں ''بلی کے خواب میں چھیچھڑے'' کہہ سکتے ہیں۔ بعض تو خواب کو خوف کا نتیجہ سمجھتے ہیں اور اسکے لئے یہ ضرب

المثل پیش کرتے ہیں ''دور از شتر بخواب تا خواب آشفتہ نبینی'' (اونٹ سے دور سو تاکہ پریشان کنندہ خواب نہ دیکھو) بعض ،خواب کو غرائز اور ہوس کا آئینہ سمجھتے ہیں۔

----

(1) بحار الانوار ج 14 صفحہ 441.

اگرچہ خواب کے سلسلے میں مختلف نظریات ہیں لیکن کسی نے بھی خواب کی حقیقت و اصلیت سے انکار نہیں کیا ہے۔ہاں اس بات کی طرف توجہ رکھنی چاہئے کہ تمام خواب ایک ہی تحلیل کے ذریعہ قابل حل نہیں ہیں۔

علامہ طباطبائی (رح) تفسیر المیزان [1] میں فرماتے ہیں : عالم وجود تین ہیں [1] عالم طبیعت [2] عالم مثال [3] عالم عقل ، چونکہ انسان کی روح مجرد ہے لہٰذا خواب میں ان دو عالم سے ارتباط پیدا کرتی ہے اور استعداد و امکان کے مطابق حقائق کو درک کرتی ہے اگر روح کامل ہو تو صاف فضا میں حقائق کو درک کرلیتی ہے اور اگر روح کمال کے آخری درجوں تک نہ پہنچی ہو تب بھی حقائق کو دوسرے سانچوں میں درک کرلیتی ہے۔

جس طرح عالم بیداری میں ہم شجاعت کو شیر کے سانچے میں ، حیلہ و مکر کو لومڑی کے قالب میں اور بلندی کو پہاڑ کی صورت میں دیکھتے ہیں اسی طرح خواب میں علم کو نور ، شادی بیاہ کو لباس اور جہل و نادانی کو سیاہ چہرہ کے قالب میں دیکھتے ہیں ۔اس بحث کے نتیجہ کو ہم چند مثالوں میں پیش کرتے ہیں ۔ جو لوگ خواب دیکھتے ہیں ان کی متعدد قسمیں ہیں :

پہلی قسم : ان لوگوں کا خواب جو کامل اور مجرد روح کے حامل ہیں وہ حواس کے خواب آلود ہونے کے بعد عالم عقل سے ارتباط پیدا کرتے ہوئے حقائق کو صاف وشفاف دوسری دنیا سے حاصل کرلیتے ہیں (جیسے ٹی۔وی اپنے مخصوص انٹینے کے ذریعہ کہ جو بلندی پر نصب ہوتا ہے دور دراز کی امواج کو بھی باآسانی پکڑ لیتا ہے) ایسے خواب جو حقائق کو

----

(1)المیزان فی تفسیر القرآن ج11 ص299.

براہ راست درک کر لیتے ہیں وہ تعبیر کے محتاج نہیں ہوتے ہیں.

۔

دوسری قسم : ان لوگوں کا خواب جو متوسط روح کے حامل ہوتے ہیں ایسے افراد حقائق کو دھندلا ، اور تشبیہ و تخیل کے ساتھ دیکھتے ہیں (ایسے خواب کی تعبیر کے لئے ایسا مفسر درکار ہے جو مشاہدات کی دنیا سے دور رہ کر تفسیر کرے یعنی جو کہ خوابوں کی تعبیر جانتا ہو اسے خواب کی تعبیر کرنی چاہیئے)

تیسری قسم : ایسے افراد کا خواب جن کی روح حد درجہ پریشان اور گوناگوں خیالات میں گم ہوتی ہے ایسے لوگوں کا خواب کوئی مفہوم نہیں رکھتا یہ خواب کی وہ قسم ہے جو تعبیر کے قابل نہیں ہے ایسے ہی خواب کو قرآن نے ''اضغاث احلام'' (یعنی پریشان کرنے والے خواب)کے نام سے یاد فرمایا ہے۔

ابن سیرین نے خواب کے موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے۔اس میں یہ بیان ہوا ہے کہ جب کسی نے اس سے پوچھا کہ اس خواب کی تعبیر کیا ہے کہ ایک شخص عالم خواب میں منہ اور شرمگاہ پر مہر لگا رہا ہے ؟ تو ابن سیرین نے جواب دیا : وہ شخص ماہ مبارک رمضان کا موذن ہوگا جو اذان کے ذریعہ کھانے اور جماع کو ممنوع اعلان کرے گا (یعنی اذان سنتے ہی کھانا پینا اور جماع حرام ہے)

قرآن نے کچھ ایسے خوابوں کا ذکر کیا ہے جو تحقق پذیر ہوئے ہیں ۔آپ حضرات مندرجہ ذیل خوابوں کو ملاحظہ فرمائیں :

الف۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب جس میں انہوں نے گیارہ ستارے اور چاند و سورج کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔اس کی تعبیر یہ ہوئی کہ حضرت یوسف (ع) بادشاہ ہوگئے اور بھائیوں اور ماں باپ نے سر تسلیم خم کر دیا۔

ب۔ قید خانے میں حضرت یوسف علیہ السلام کے دونوں ساتھیوں کا خواب جس کی تعبیر یہ ہوئی کہ ایک آزاد ہو گیا دوسرے کو سزائے موت سنائی گئی۔

ج۔ عزیز مصر کا خواب کہ لاغر اور کمزور گائے موٹی تازی گائے کو کھا رہی ہے جس کی تعبیر یہ ہوئی کہ کھیتی، سرسبز و شادابی کے بعد خشک سالی میں تبدیل ہو گئی۔

د۔ جنگ بدر میں پیغمبر اسلام (ص) کا خواب جس میں آپ (ص) نے مشرکین کی تعداد کو کم دیکھا جس کی تعبیر مشرکوں کی شکست ہوئی[1]

ھ۔ حضرت پیغمبر اسلام (ص) کا وہ خواب کہ مسلمین اپنا سر منڈوائے ہوئے مسجد الحرام میں داخل ہو رہے ہیں۔ جس کی تعبیر فتح مکہ اور خانہ خدا کی زیارت ہوئی[2]

و۔ حضرت موسیٰ (ع) کی مادر گرامی کا خواب جس میں انہیں جناب موسیٰ (ع) کو صندوق میں رکھ کر دریائے نیل کے حوالے کرنے کا حکم دیا گیا(اذ اوحینا الی امک ما یوحی ان اقذفیہ فی التابوت)[3]

''جب ہم نے آپ کی والدہ کی طرف اس بات کا الہام کیا جو بات الہام کی جاتی ہے (وہ یہ) کہ اس (بچے) کو صندوق میں رکھ دیں...''، روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ

----

(1) سورہ انفال آیت 43.(إِذْ يُـرِيكَهُمُ اللهُ فِي مَنَامِـكَ قَلِـيلاً وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيراً لَفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ...)

(2) سورہ فتح آیت 27.(لَقَـدْ صَـدَقَ اللهُ رَسُـولَهُ الـرُّيَا بِالْحَـقِّ ...)

(3) سورہ طہ آیت 38۔39.

یہاں وحی سے مراد وہی ''خواب'' ہے

ز۔ حضرت ابراہیم (ع) کا خواب کہ وہ اپنے فرزند اسماعیل (ع) کو ذبح کررہے ہیں[1]

قرآنی خوابوں سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم اپنی روزمرہ زندگی میں ایسے افراد کو جانتے ہیں جنہوں نے خواب کے ذریعہ بعض ایسے امور سے آگاہی حاصل کی ہے کہ جہاں تک معمولاً انسان کی رسائی ناممکن ہوتی ہے۔

سید قطب فرماتے ہیں: میں نے امریکہ میں خواب دیکھا کہ میرے بھانجے کی آنکھ سے خون بہہ رہا ہے۔ میں نے مصر ایک خط لکھا جواب ملا یہ بات صحیح ہے حالانکہ خونریزی ظاہراً آنکھوں سے نہیں ہورہی تھی۔

ملا علی ہمدانی جو کہ مراجع تقلید میں سے تھے ان سے حکایت ہوئی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے ایک عالم نے خواب میں پیغمبر اکرم (ص) کو دیکھا جنہوں نے اس سے فرمایا:

''ابھی جو پیغام ایران سے پہنچا ہے کہ اس سال وجوہات سامرہ سے نہیں پہنچیں گی اس سے پریشان نہ ہوں، الماری میں سو تومان ہیں انہیں لے لو''۔

جب میں خواب سے بیدار ہوا تو میرزائے شیرازی کے نمائندے نے دروازہ کھٹکھٹایا اور مجھے ان کے سامنے پیش کر دیا میں جیسے ہی حاضر ہوا میرزائے شیرازی نے فرمایا: الماری میں سو تومان ہیں دروازہ کھول کر نکال لو اور مجھے سمجھایا کہ خواب کے موضوع کو ظاہر نہ کرو۔

----

(1) سورہ صافات آیت 102. (فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَيَّ إِنِّي أَرَیٰ فِی الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُکَ...)

صاحب مفاتیح الجنان جناب شیخ عباس قمی (رح) نے اپنے بیٹے کو خواب میں آ کر کہا: میرے پاس ایک کتاب امانت تھی اس کو اس کے مالک تک پہنچا دو تا کہ میں برزخ میں آرام سے رہ سکوں۔ جب وہ خواب سے بیدار ہوئے تو اس کتاب کی تلاش میں لگ گئے جو علامتیں باپ نے بتائی تھیں ان کے مطابق کتاب کو لے کر چلے لیکن راستے میں وہ کتاب گر کر تھوڑی سی خراب ہو گئی۔اسی کتاب کو انہوں نے مالک تک پہنچا دیا اور باپ کی طرف سے عذر خواہی بھی کرلی۔ رات کو محدث قمی دوبارہ اپنے فرزند کے خواب میں آئے اور فرمایا: تم نے اس کتاب کے مالک سے کیوں نہیں کہا کہ وہ کتاب تھوڑی سی خراب ہو گئی ہے تا کہ وہ اگر تاوان چاہتا تو تم سے اسکا مطالبہ کرتا یا اسی عیب پر راضی ہو جاتا۔

پیام:

1۔ ماں باپ اپنے بچوں کی مشکلات کو حل کرنے کیا بہترین ذریعہ ہیں (یا ابت)

2۔ والدین کو چاہیئے کہ وہ اپنے بچے کے خواب کے بارے میں بھی متوجہ رہیں (یا ابت)

3۔ خواب کی لغت میں ''اشیاء حقائق کی نمائندگی کرتی ہیں ''(مثلاً خورشید باپ کی اور چاند ماں کی اور ستارے بھائیوں کی علامت ہیں)۔(رایت احد عشرا کوکبا...)

4۔ کبھی خواب دیکھنا حقائق کو دریافت کرنے کا ایک راستہ ہوتا ہے۔(انی رایت)

5۔ کبھی نوجوانوں میں ایسی صلاحیت ہوتی ہے جو بزرگوں کو سر جھکانے پر مجبور کردیتی ہے (ساجدین)

6۔ اولیائے خدا کا خواب سچا ہوتا ہے (ر ایت)

اس آیت میں ''رایت ''کی تکرار اس بات کی علامت ہے کہ حتمًادیکھاہے۔ واقعہ خیالی و تصوری نہیں ہے بلکہ خارجی حقیقت رکھتاہے۔

7۔ حضرت یوسف (ع) شروع میں خواب کی تعبیر نہیں جانتے تھے لہٰذا خواب کی تعبیر کے لئے اپنے باپ سے مدد طلب کی (یا ابت)

آیت 5:

(5) قَالَ يَابُنَيَّ لاَتَقْصُصْ رُيَاکَ عَلَى إِخْوَتِکَ فَيَكِيدُوا لَکَ كَيْدًا إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوٌّ مُبِينٌ

''یعقوب (ع) نے کہا: اے بیٹا (دیکھو خبردار) کہیں اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا (ورنہ) وہ لوگ تمہارے لئے مکاری کی تدبیر کرنے لگیں گے اس میں تو شک ہی نہیں ہے کہ شیطان آدمی کا کھلا ہوا دشمن ہے''۔

نکات:

اصول زندگی میں سے ایک اصل ''راز داری'' ہے اگر مسلمانوں نے اس آیت کی روشنی میں عمل کیا ہوتا تو یہ سب استعداد و سرمایہ، خطی کتابیں، علمی آثار اور تمام آثار قدیمہ

دوسرے ممالک کے میوزیم ہیں نہ ہوتے اور محقق

(Diplomite)وسیاح کے روپ میں دشمن ہمارے منافع ،

منابع اور امکانات سے باخبر نہ ہوتا اور سادہ لوحی و خیانت کی وجہ

سے ہمارے اسرار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں نہ جاتے جو ہمیشہ مکر

وفریب کے ذریعہ ہماری تاک میں رہتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے بھائیوں کے سامنے اپنے خواب کو

اپنے باپ سے بیان نہ کرنا خود آپ (ع) کی عقل مندی کی علامت

ہے۔

پیام:

1۔ والدین کو چاہیئے کہ وہ اپنے بچوں کی خواہشات اور عادات سے آگاہ ہوں تاکہ صحیح راستہ کی رہنمائی کر سکیں۔ (فیکیـــــدوالک کید)

2۔ معلومات اور اطلاعات کی تقسیم بندی کرتے ہوئے پوشیدہ اور آشکار چیزوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنا چاہیۓ (لاتقصص)

3۔ ہر بات کو ہر کس و ناکس سے نہیں کہنا چاہیئے (لاتقصص)

4۔ حسادت کی راہوں کو نہ بھڑکائیں (لاتقصص...فیکیدو)

5۔ اگر کچھ خواب بیان کرنے کے لائق نہیں ہوتے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بیداری میں دیکھی جانے والی بہت ساری چیزوں کو بھی بیان نہیں کرنا چاہیۓ (لاتقصص)

6۔ انبیاء (ع) کے گھرانوں میں بھی مسائل اخلاقی مثلاً حسد و حیلہ وغیرہ موجود ہیں (یا بنی لاتقصص...فیکیدوا...)

7۔اہم مسائل کی صحیح پیش بینی کرتے ہوئے اگر سوء ظن کا اظہار کیا جائے یا بعض خصلتوں سے پردہ فاش کیا جائے تو کوئی برائی نہیں ہے۔(فیکیدوالک کید)

8۔ انسان کا مکر و فریب میں مبتلا ہونا شیطانی کام ہے (فیکیدوا...ان الشیطان)

9۔ شیطان ہماری اندرونی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم پر مسلط ہو جاتا ہے۔ بھائیوں کے درمیان حسد و جلن کے ماحول نے شیطان کے لئے انسان سے دشمنی کرنے کی راہ کو ہموار کردیا (فیکیدوا...ان الشیطان للانسان عدو مبین)

آیت 6:

(6) وَكَذَلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَى آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَى أَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ

''(جو تم نے دیکھا ہے) ایسا ہی ہوگا تمہارا پروردگار تم کو برگزیدہ قرار دے گا اور تمہیں ان باتوں کے انجام کا علم (اور خوابوں کی تعبیر) سکھائے گا اور وہ اپنی نعمت کو تم پر اور خاندان یعقوب پر اسی طرح پوری کرے گا جس طرح اس سے پہلے تمہارے دادا و پردادا پر اپنی نعمتیں پوری کرچکا ہے بے شک تمہارا پروردگار بڑا واقف کار حکمت والا ہے''۔

نکات:

تاویل خواب باطن کو بیان کرنا اور خواب کے وقوع کی کیفیت ہے ''احادیث''کلمہ ''حدیث'' کی جمع ہے یہ کلمہ ''ماجرا بیان کرنے''کے معنی میں استعمال ہوتا ہے چونکہ انسان اپنے خواب کو مختلف لوگوں سے بیان کرتا ہے لہٰذا خواب کو بھی حدیث کہا جاتا ہے بنابریں "تاویل الاحادیث"یعنی خوابوں کی تعبیر۔

حضرت یعقوب (ع)اس آیت میں اپنے فرزند جناب یوسف (ع) کو ان کے خواب کی تعبیر بیان کرتے ہوئے ان کے مستقبل کی خبر دے رہے ہیں...

پیام:

1۔اولیائے الٰہی خواب کے ذریعہ افراد کے مستقبل کا نظارہ کرتے ہیں(یجتبیک ربک و یعلمک)

2۔ انبیاء علیہم السلام، خداوند عالم کے برگزیدہ افراد ہیں(یجتبیک)

3۔انبیاء (ع)اللہ کے بلاواسطہ شاگرد ہیں(یعلمک)

4۔مقام نبوت وحکومت، نعمتوں کا سرچشمہ ہے(ویتم نعمتہ)

5۔ انبیاء گرامی (ع)کا انتخاب علم و حکمت الٰہی کی بنیاد پر ہے (یجتبیک. علیم حکیم)

6۔ اپنے برگزیدہ بندوں کے لئے خداوند عالم کا سب سے پہلا تحفہ ''علم'' ہے(یجتبیک ربک و یعلمک)

7۔ تعبیر خواب ان امور میں سے ہے جسے خداوند متعال انسان کو عطا کرتا ہے۔(یعلمک من تاویل الاحادیث)

8۔ انتخاب میں لیاقت کے علاوہ اصل و نسب بھی اہمیت رکھتا ہے(یجتبیک ...و ابویک من قبل)

9۔ قرآن کی لغت میں اجداد باپ کے حکم میں ہیں: (ابویــــک من قبل ابراهیم و اسحاق)

آیت 7:

(7) لَقَدْ كَانَ فِی يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِينَ .

''یوسف اور انکے بھائیوں (کے قصہ) میں پوچھنے والوں کے لئے یقینا بہت سی (ارادہ خدا کے حاکم ہونے کی) نشانیاں ہیں''۔

نکات:

حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کی داستان میں بہت سی ایسی علامتیں اور نشانیاں موجود ہیں جن سے خداوند عالم کی قدرت آشکار ہوتی ہے ان میں سے ہر ایک اہل تحقیق و جستجو کے لئے عبرت و نصیحت کا باعث ہے ان میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا پُر اسرار خواب (2) تعبیر خواب کا علم (3) حضرت یعقوب (ع) کا اپنے فرزند کے مستقبل سے مکمل

طور پر آگاہ ہونا (4) کنویں میں رہنا اور کسی خطرے سے دوچار نہ ہونا (5) اندھا ہونا اور دوبارہ بینائی کا لوٹنا (6) کنویں کی گہرائی اور جاہ و جلال کی بلندی (7) قید خانہ میں جانا اور حکومت تک پہنچنا (8) پاک رہنا اور ناپاکی کی تہمت سننا (9) فراق و وصال (10) غلامی و بادشاہی (11) گناہوں کی آلودگی کے بجائے زندان کو ترجیح دینا (12) اپنی بزرگواری سے بھائیوں کی غلطیوں کو جلد معاف کردینا۔

انہیں نشانیوں کے ساتھ ساتھ بہت سے ایسے سوالات بھی ہیں جن میں سے ہر ایک کا جواب زندگی کی راہوں کو روشن کرنے والا ہے۔

حسادت انسان کو بھائی کے قتل پر کیسے آمادہ کر دیتی ہے ؟

دس آدمی ایک خیانت میں کیسے متحد ہو جاتے ہیں ؟

حضرت یوسف علیہ السلام اپنی بزرگواری کی وجہ سے اپنے خیانت کار بھائیوں کو سزا دینے سے کیسے صرف نظر کر لیتے ہیں ؟

انسان آلودگی اور لذت گناہ پر یاد الٰہی کے ساتھ قید خانہ کو کیسے ترجیح دیتا ہے ؟

یہ سورہ اس وقت نازل ہوا جب پیغمبر اسلام (ص) اقتصادی اور اجتماعی محاصرہ میں سخت گرفتار تھے۔ یہ داستان انحضر(ص)ت کی تسلی ئخاطر کا باعث ہوئی کہ اے پیغمبر اگر آپ کے بعض رشتہ دار ایمان نہیں لاتے ہیں تو آپ رنجیدہ نہ ہوں، جناب یوسف کے بھائیوں نے تو ان کو کنویں میں ڈال دیا تھا۔

اس سورہ کی اہم آیتیں سازشوں پر خدا کے غلبہ کے بارے میں ہیں (بشری سازشیں ارادہ الٰہی کے سامنے بیکار ہو جاتی ہیں) حضرت یوسف (ع) کو کنویں میں ڈال دیا تاکہ باپ کے نزدیک محبوب ہو جائیں۔ لیکن مبغوض ہو گئے دروازوں کو بند کیا گیا تاکہ آپ (ع) شہوت سے آلودہ ہو جائیں لیکن آپ (ع) کی پاکیزگی ثابت ہو گئی ،نہ کنواں ، نہ غلامی نہ قید خانہ نہ قصر اور نہ سازشیں کوئی بھی ارادہ الٰہی پر غالب نہ آ سکیں۔

پیام:

1۔ قصہ بیان کرنے سے پہلے سننے والے کو داستان سننے اور عبرت آموزی کے لئے آمادہ کریں (لقد کان فی یوسف)

2۔ جب تک سننے اور سیکھنے کے عاشق نہ ہوں اس وقت تک قرآنی درسوں سے بطور کامل فائدہ نہیں اٹھا سکتے ہیں (للسائلین)

3۔ داستان ایک ہے لیکن اس واقعہ سے حاصل ہونے والے درس اور نکات بہت ہیں (آیات)

4۔ قرآنی داستانیں زندگی میں پیش آنے والے بہت سے سوالوں کا جواب دیتی ہیں (للسائلین)

5۔ ''حسد''خاندان اور رشتہ داری کے محکم ستون کو بھی منہدم کر دیتا ہے (لقد کان فی یوسف)

آیت 8:

(8)إِذْ قَـالُوا لَيُوسُـفُ وَأَخُـوهُ أَحَـبُّ إِلَـى أَبِيْنَـا مِنَّـا وَنَحْـنُ عُصْبَ إِنَّ أَبَانَا لَفِيْ ضَلَالٍ مُبِيْنٍ .

''جب (یوسف کے بھائیوں نے) کہا کہ باوجودیکہ ہماری جماعت بڑی طاقت ور ہے تاہم یوسف اور اس کا حقیقی بھائی (بنیامین) ہمارے والد کے نزدیک ہم سے بہت زیادہ پیارے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے والد یقینا صریح غلطی میں ہیں''۔

نکات:

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ لڑکے تھے ان میں سے دو (یوسف و بنیامین) ایک ماں سے تھے جبکہ باقی دوسری ماں سے تھے۔ باپ کی محبت جناب یوسف (ع) سے (آپ (ع) کے چھوٹے ہونے یا کمالات کی وجہ سے تھی) بھائیوں کے لئے حسد و

جلن کا سبب بنی اور حسادت کے علاوہ '' نحن عصب '' کہنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اندر خوئے تکبر اور غرور بھی موجود تھی اور اسی غرور و تکبر کے نتیجہ میں باپ کو بچوں سے محبت کرنے پر انحراف اور غلطی سے متہم کرنے لگے

معاشرے اور سماج میں ایسے افراد بھی موجود ہیں جو خود کو بلندی پر لے جانے کے بجائے بلند افراد کو نیچے لے آتے ہیں۔ خود محبوب نہیں ہیں لہٰذا محبوب افراد کو داغدار کرتے ہیں۔

تبعیض و تفاوت کے درمیان فرق: تبعیض کسی کو بغیر دلیل کے برتری دینا۔ تفاوت: لیاقت و شرافت کی بنیاد پر برتری دینا۔ مثلاً ڈاکٹر کے نسخے اور معلم کے نمبر فرق کرتے ہیں لیکن یہ تفاوت حکیمانہ ہے ظالمانہ نہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی حضرت یوسف علیہ السلام سے محبت حکیمانہ تھی نہ کہ ظالمانہ لیکن حضرت یوسف (ع) کے بھائی اس محبت کو تبعیض اور بدون دلیل سمجھ رہے تھے۔

کبھی زیادہ محبت مصیبتوں کا سبب بنتی ہے۔ حضرت یعقوب - حضرت یوسف - کو بہت چاہتے تھے یہی محبت بھائیوں کے کینہ اور ان

کے کنویں میں ڈالے جانے کا سبب بنی اسی طرح '' زلیخا کی حضرت یوسف (ع) سے محبت '' قید خانہ میں جانے کا سبب بنی لہٰذا جب حضرت (ع) کے اخلاق سے متاثر ہو کر زندان بان نے کہا کہ میں آپ (ع) سے محبت کرتا ہوں تو حضرت (ع) نے فرمایا : میں ڈرتا ہوں کہیں اس محبت و دوستی کے پیچھے بھی کوئی مصیبت پوشیدہ نہ ہو۔ [1]

----

(1) تفسیر الستین الجامع.

پیام:

1۔ اگر اولاد تبعیض اور دو گانگی کا احساس کرلے تو ان کے درمیان حسادت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے(احب ابینامنّ)

2۔ بچوں کے درمیان تفاوت کرنے سے باپ سے ان کا عشق و محبت کم ہو جاتا ہے(ان ابانا لفی ضلال مبین)

3۔ طاقت و قدرت محبت آور نہیں ہے(احب الی ابینا و نحن عصب)

4۔ ''حسد ''نبوت اور پدری حدود کو بھی توڑ دیتا ہے اور بچے اپنے باپ کو جو پیغمبر بھی ہیں ''منحرف''اور ''بے انصاف'' کہنے لگتے ہیں(ان ابانا لفی ضلال مبین)

5۔ محبوب نظر ہونے کا عشق اور اسکی محبت ہر انسان کی فطرت میں موجود ہے اگر کوئی انسان سے محبت نہ کرے یا کم توجھی برتے تو انسان کو اس سے تکلیف ہوتی ہے(احب الی ابین)

آیت 9:

(9) اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ

'' (بھائیوں نے ایک دوسرے سے کہا خیر تو اب مناسب یہ ہے کہ یاتو) یوسف کو مار ڈالو یا (کم از کم) اس کو کسی جگہ (چل کر) پھینک تو البتہ تمہارے والد کی توجہ صرف تمہاری طرف ہو جائے گی اور اسکے بعد تم سب کے سب (باپ کی توجہ سے) اچھے آدمی بن ج گے''۔

نکات:

جب انسان کو نعمتیں حاصل ہوتی ہیں تو اس کی چار حالتیں ہوتی ہیں۔حسادت ، بخل ، ایثار، غبطہ۔جب یہ فکر ہو کہ اگر ہمارے

پاس فلاں نعمت نہیں ہے تو دوسرے بھی اس نعمت سے محروم رہیں تو اسے ''حسادت'' کہتے ہیں۔اگر یہ فکر ہو کہ یہ نعمت فقط میرے پاس رہے دوسرے اس سے بہرہ مند نہ ہوں تو اسے ''بخل'' کہتے ہیں اگر یہ فکر ہو کہ دوسرے اس سے بہرہ مند ہوں اگرچہ ہم محروم رہیں تو اسے ''ایثار'' کہتے ہیں۔ اگر یہ کہے کہ دوسرے افراد نعمت سے بہرہ مند رہیں ۔اے کاش ہم بھی نعمت سے بہرہ مند ہوتے تو اسے غطبہ اور رشک کہتے ہیں۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: میں کبھی اپنے بچوں سے اظہار محبت کرتا ہوں اور انہیں اپنے زانوں پر بٹھاتا ہوں جبکہ وہ ان تمام محبتوں کے مستحق نہیں ہوتے (میں اس لئے ایسا کرتا ہوں کہ) کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے تمام فرزند ایک دوسرے سے حسد وجلن کرنے لگیں اور حضرت یوسف (ع)کے ماجرے کی تکرار ہو جائے۔[1]

----

(1) تفسیر نمونہ بنقل بحار، ج 74 ص 87.

پیام:

1۔ بُری فکر انسان کو خطرناک عمل کی طرف لے جاتی ہے (لیوسف .احب .اقتلو)

2۔ حسد و جلن انسان کو بھائی کے قتل پر آمادہ کرتی ہے(اقتلـــوا یوسف)

3۔انسان ، محبت کا خواہاں ہے اور محبت کا کم ہونا بہت بڑے خطرات وانحرافات کا باعث ہوتا ہے(یخل لکم وجه ابیکم)

4۔ اگرچہ قرآن '' محبوبیت کی راہ''ایمان و عمل صالح کو قرار دیتا ہے ان الذین
امنوا و عملوا الصالحات سیجعل لهم الرحمن ودّا[1] لیکن شیطان محبوبیت کی راہ کو برادر کشی بتاتا ہے(اقتلوا ...یخل لکم وجه ابیکم)

5۔ حسد کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ دوسروں کو نابود کرنے سے اسے نعمتیں مل جائیں گی۔(اقتلوا ...یخل لکم وجه ابیکم)

6۔ شیطان کل توبہ کرلینے کا دھوکا دے کر آج گناہ کا راستہ دکھاتا ہے۔(وتکونوا من بعده قوماً صالحین)

7۔ علم و آگاہی ہمیشہ انحراف سے دوری کا سبب نہیں ہے۔ جناب یوسف (ع) کے بھائیوں نے قتل اور شہر بدر کرنے کو برا سمجھنے کے باوجود اسی کو انجام دی (وتکونوا من بعدہ قوما صالحین)

آیت 10:

(10) قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ لاَتَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِى غَيَابَ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَ إِنْ كُنتُمْ فاعِلِينَ .

''ان میں سے ایک کہنے والا بول اٹھا کہ یوسف کو جان سے تو نہ مارو (ہاں اگر تم کو ایسا ہی کرنا ہے) تو کسی اندھے کنویں میں

(لے جا کر)ڈال دو کوئی راہ گیر اسے نکال کر لے جائے گا(اور

تمہارا مطلب بھی حاصل ہو جائے گا)''

----

(1)سورہ مریم آیت 96.

نکات:

"جُبّ"اس کنویں کو کہتے ہیں جس میں پتھر نہ بچھائے گئے ہوں "غیابـــت" بھی ان طاقچوں کو کہتے ہیں جو کنویں کی دیوار میں پانی کے قریب ہوتے ہیں جو اوپر سے دکھائی نہیں دیتے ہیں۔

نہی از منکر (برائیوں سے روکنا) ایسی برکتوں کا حامل ہے جو آئندہ روشن ہوتے ہیں۔(لا تقتلــوا)نے حضرت یوسف (ع) کو نجات دلائی اور اس کے بعد آپ (ع) نے ایک مملکت کو قحط سے نجات دلائی اسی طرح جس طرح ایک دن جناب آسیہ نے فرعون سے " لاتقتلـــوا"کہہ کرجناب موسی (ع) کو نجات دلائی اور اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دلائی در حقیقت یہ وعدہ الٰہی کا روشن نمونہ ہے خداوند عالم فرماتا ہےمن احیاء ھا فکانما أحیا الناس جمیعا[1]جو بھی ایک

شخص کو حیات دے گا گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔

پیام:

1۔ اگر برائیوں کو بطور کامل نہیں روک سکتے تو جہاں تک ممکن ہو روکنا چاہئیے۔(لا تقتلوا ... والقوه)

1: سورہ مائدہ آیت 32.

آیت 11:

(11) قَـالُوا يَاأَبَانَا مَـا لَـکَ لاَتَأْمَنَّـا عَلَـى يُوسُـفَ وَإِنَّا لَـهُ لَنَاصِحُونَ .

''سب نے (یعقوب سے) کہا ابا جان آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتبار نہیں کرتے حالانکہ ہم لوگ تو اس کے خیر خواہ ہیں''۔

پیام:

1۔ جو لوگ کچھ نہیں ہوتے وہ زیادہ دعوی اور پروپیگنڈا کرتے ہیں۔(انا له لناصحون)

2۔ ہر بھائی قابل اطمینان نہیں ہے (گویا حضرت یعقوب نے جناب یوسف کو بارہا بھائیوں کے ساتھ جانے سے روکا ہے اسی لئے بھائیوں نے یہ کہہ کر (مالک لا تأمنّ) اعتراض کیا ہے)

3۔ نعرے بازی سے دھوکا نہ کھا اور بے مسمّٰی اسم سے پرہیز کرو (خائن اپنا نام ناصح رکھتا ہے) (لناصحون)

4۔ دشمن بدگمانی کو دور کرنے کے لئے ہر قسم کا اطمینان دلاتا ہے ۔(انا له لناصحون)

5۔ خیانت کار اپنی غلطی کو دوسروں کی گردن پر ڈالتا ہے ۔(مالک)

6۔ روز اول ہی سے انسان نے خیر خواہی کے نام پر دھوکا کھایا ہے، شیطان نے جناب آدم و حوا کو غفلت میں ڈالنے کے لئے یہی کہا تھا کہ میں آپ کا خیر خواہ ہوں (وقاسمهما انی لكما لمن الناصحين)[1] (انا له لناصحون)

7۔ بغض و حسد، انسان کو مختلف گناہوں پر مجبور کرتا ہے (جیسے جھوٹ، دھوکہ دینا یہاں تک کہ اپنے محبوب ترین رشتہ دار کو بھی دھوکہ دینا چاہتا ہے۔ (انا له لناصحون)

آیت 12:

(12) أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ.

''آپ اس کو کل ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ ذرا (جنگل) سے پھل پھلاری کھائے اور کھیلے کودے اور ہم لوگ تو اس کے نگہبان ہی ہیں''۔

نکات:

انسان تفریح و ورزش کا محتاج ہے جیسا کہ اس آیت میں مشاہدہ ہوتا ہے کہ وہ قوی ترین منطق و دلیل جس کی بنیاد پر حضرت یعقوب (ع) کو اپنے بیٹوں کی خواہش کو تسلیم کرنا پڑا وہی تفریح ہے کہ یوسف کو تفریح کی ضرورت ہے، بعض روایتوں میں آیا ہے کہ مومن کو اپنا کچھ وقت تفریح ولذات کے لئے مخصوص کرنا چاہیئے تاکہ اس کے وسیلہ سے تمام کام بخوبی انجام دے[2]

----

(1) سورہ اعراف آیت 21.

(2) نہج البلاغہ حکمت 390

فقط کل ہی نہیں بلکہ آج بھی اور آئندہ بھی اس کھیل اور ورزش کے بہانے جوانوں کو سرگرم کیا جارہا ہے اور کیا جاتا رہے گا ہمارے جوانوں کو حقیقی ہدف سے دور اور غفلت میں رکھا جا رہا ہے کھیلوں کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں تاکہ اہم چیزیں کھیل شمار ہونے لگیں۔ استکبار اور سازشی لوگ صرف کھیل کود سے سوء استفادہ نہیں کرتے بلکہ ہر پسندیدہ و مقبول نام سے اپنے برے اہداف کی ترویج کرتے ہیں، ڈپلومیٹ (diplomate) کے روپ میں خطرناک ترین جاسوسوں کو دوسرے ممالک میں روانہ کرتے ہیں فورس اور دفاعی امور کے مشیر ہونے کے پیچھے سازش کرتے ہیں اور اس کے راز حاصل کرلیتے ہیں۔

حقوق بشر کے بہانے کرکے اپنے نوکروں کی حمایت کرتے ہیں، دوا کے نام پر اپنے نوکروں کے لئے اسلحہ روانہ کرتے ہیں ،

اقتصادی ماہرین کے بہانے ممالک کو کمزور تر بنا دیتے ہیں، سم پاشی کے بہانے باغات اور کھیتوں کو برباد کر دیتے ہیں۔ حتی اسلامی ماہرین کے روپ میں غیر اسلامی چیزوں کو اسلامی لباس میں پیش کرتے ہیں۔

پیام:

1۔ بچے کی تفریح باپ کی اجازت سے ہونی چاہیئے (ارسله)

2۔ ورزش و تفریح، کھیل کود شیطانی جالوں میں سے ایک جال ہے اور غافل کرنے کا ذریعہ ہے (ارسله معنا غدا يرتع و يلعب)

3۔ بھائیوں نے دھوکہ دینے کے لئے مباح اور منطقی وسیلہ سے سوء استفادہ کیا (ارسله ...يرتع و يلعب)

آیت 13:

(13) قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَنْ تَذْهَبُوا بِهِ وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غَافِلُونَ.

''(یعقوب نے) کہا تمہارا اس کو لے جانا مجھے صدمہ پہنچاتا ہے اور میں تو اس سے ڈرتا ہوں کہ تم سب کے سب اس سے بے خبر ہو جاؤ اور (مبادا) اسے بھیڑیا کھا جائے''۔

نکات:

حضرت یعقوب (ع) نے بظاہر بھیڑئے کے حملے سے خوف کا اظہار کیا۔ مصلحتوں کی بنیاد پر حسادت کا ذکر نہیں فرمایا ہمارا حال بھی یہی ہے کہ ہمیں جس چیز سے ڈرنا چاہیئے اس سے نہیں ڈرتے۔ ہمیں حساب و کتاب دوزخ سے ڈرنا چاہیئے لیکن نہیں

ڈرتے ۔ رزق و روزی، مقام و دولت جو پہلے سے مقدر ہیں اس سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیئے لیکن ہم پھر بھی ڈرتے ہیں ! ! ۔

پیام:

1۔ راز فاش نہ کریں (اخاف ان یاکلہ الذئب) حضرت یعقوب علیہ السلاماپنے بیٹوں کی حسادت سے واقف تھے اسی لئے حضرت یوسف (ع) سے فرمایا تھاکہ بھائیوں سے اپنا خواب بیان نہ کرنا، لیکن یہاں پر ان کی حسادت کا ذکر نہیں کرتے بلکہ بھیڑئے اور غفلت کا بہانہ کررہے ہیں۔

2۔ اپنے بچوں کی نسبت احساس ذمہ داری پیغمبروں (ع) کی ایک خصلت ہے۔(لَیَحْزُنُنِی...اخاف)

3۔ اپنے بچوں کو مستقل بنائیں، عشق پدری اور اپنے بچے کو آنے والے احتمالی خطرہ سے بچانا دو حقیقتیں ہیں، لیکن اپنے بچے کو مستقل بنانا بھی ایک حقیقت ہے حضرت یعقوب (ع) نے جناب یوسف (ع) کو تمام بھائیوں کے ساتھ روانہ کردیا اسلئے کہ

نوجوان کو آہستہ آہستہ باپ سے جدا ہو کر اپنے لئے دوست بنانا چاہیئے اسے فکر کرکے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہیئے چاہے کتنی ہی مشکلات اور غم والم کا سامنا کرنا پڑے۔

4۔ جھوٹے کو راستہ نہ دکھ (روایتوں میں آیا ہے کہ بھیڑئے ے کا موضوع جناب یوسف (ع) کے بھائیوں کے ذہن میں نہیں تھا بلکہ حضرت یعقوب (ع) کے بیان نے انہیں اس طرف متوجہ کیا)[1]

----

(1) تفسیر نورالثقلین

آیت 14:

(14)قَالُوا لَئِنْ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا إِذًا لَخَاسِرُونَ

'' وہ لوگ (یعقوب کے بیٹے)کہنے لگے جبکہ ہماری جماعت قوی ہے (اس پر بھی)اگر اس کو بھیڑے ا کھاجائے تو ہم لوگ یقینا بڑے گھاٹا اٹھانے والے (نکمّے) ٹھہریں گے''۔

نکات:

''عصب'' متحدو قوی گروہ و جماعت کو کہتے ہیں اس لئے کہ وحدت و یکجہتی میں اعصاب بدن کی طرح ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں۔

پیام:

1۔ کبھی بزرگ اپنے تجربہ اور آگاہی کی بنیاد پر خطرے کا احساس کر لیتے ہیں لیکن جوان اپنی طاقت و قدرت پر مغرور ہوتے ہیں اور خطرہ کو مذاق سمجھتے ہیں۔(نحن عصب) باپ پریشان ہے لیکن بچے اپنی طاقت و قدرت پر نازاں ہیں۔

2۔ اگر کوئی ذمہ داری کو قبول کر لے اور اسے نہ نبھا سکے تو وہ اپنا سرمایہ، شخصیت، آبرو اور ضمیر کو خطرے میں ڈال دیتا ہے اور آخر کار نقصان اٹھاتا ہے (لخاسرون)

3۔ ظاہری فریب اور جھوٹے احساسات کا اظہار جناب یوسف (ع) کے بھائیوں کا ایک دوسرا حربہ تھا۔(إِنَّا إِذًا لَخَاسِرُونَ)

آیت 15:

(15) فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَأَجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِی غَيَابَ الْجُبِّ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَذَا وَهُمْ لاَيَشْعُرُونَ

''غرض یوسف کو جب یہ لوگ لے گئے اور اس پر اتفاق کرلیا کہ اسکو اندھے کنویں میں ڈال دیں اور (آخر کار یہ لوگ کر گزرے تو) ہم نے یوسف کی طرف وحی بھیجی کہ (تم گھبر نہیں) ہم عنقریب تمہیں بڑے مرتبہ پر پہنچائیں گے (تب آپ انکے) اس فعل (بد) کے بارے میں انہیں ضرور بتائیں گے جبکہ انہیں اس بات کا شعور تک نہیں ہوگا''۔

نکات:

جب سے خدا نے حضرت یوسف (ع) کو حاکم بنانے کا ارادہ کیا اسی وقت سے ضروری ہوگیا کہ جناب یوسف (ع) چند مراحل سے گزریں غلام بنیں تاکہ غلاموں پر رحم کریں، کنویں اور قید خانہ میں رہیں تاکہ قیدیوں پر رحم کریں۔ اسی طرح خداوند متعال اپنے پیغمبر حضرت محمد (ص) سے فرماتا ہے کہ آپ فقیر و یتیم تھے پس یتیم و فقیر کو اپنے پاس سے نہ بھگائیں (الم یجدک یتیمافاوی...فاما الیتیم فلا تقھر...)[1]

پیام:

1۔ کنویں کے اندر جناب یوسف (ع) کے اطمینان کا بہترین وسیلہ روشن مستقبل اور نجات کے بارے میں ''خدا کی طرف سے الہام ہے'' (اوحینا الیه)

----

(1) سورہ ضحیٰ آیت 6 تا 9.

2۔ مخالفین کا اتفاق نظر اور اجتماع تمام مقامات پر کارساز اور حقانیت کی دلیل نہیں ہے بلکہ قانون خداوندی ہی حق ہونے کی دلیل ہے۔(اجمعوا ... و اوحیناالیه)

3۔ حساس مواقع پر امداد الٰہی، اولیاءِ خدا کی طرف آتی ہے(فی غیابت الجب ...و اوحیناالیه)

4۔ جناب یوسف (ع) جوانی میں بھی وحی الٰہی کو حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے(اوحیناالیه)

سازش اور عمل کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے (بھائیوں نے کنویں میں پھینکنے کی سازش کی (القوه) لیکن جب عمل کا مرحلہ آیا تو جناب یوسف (ع) کو کنویں میں چھوڑ دیا (یجعلوه)

آیت 16:

(16) وَجَائُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ.

''اور یہ لوگ (اپنی سازش کو عملی جامہ پہنانے کے بعد) رات کی ابتدا میں اپنے باپ کے پاس (بناوٹی رونا) روتے ہوئے آئے''۔

پیام:

1۔ سازش کرنے والے احساسات اور مناسب موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔(عشاءً)

2۔ گریہ ہمیشہ صداقت کی علامت نہیں ہے لہٰذا ہر آنسو پر بھروسہ نہ کریں۔(یبکون)[1]

----

(1)قرآن مجید میں گریہ اور آنسو کی چار قسمیں ہیں:

1۔شوق و محبت کے آنسو۔ عیسائیوں کا ایک گروہ قرآن مجید کی آیتیں سن کر آنسو بہاتا تھا(...تری اعینهم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق) (سورہ مائدہ آیت 83)

2۔حزن و حسرت کے آنسو۔ عشق و محبت سے سرشار مسلمان جیسے ہی رسول اکرم (ص) سے سنتے تھے کہ جنگ میں جانے کی جگہ نہیں ہے تو رونے لگتے تھے۔(تفیض من الدمع حزنا الا یجدوا ما ینفقون) (سورہ توبہ آیت 92)

3۔خوف وہراس کے آنسو: اولیاء الٰہی کے سامنے جیسے ہی آیات کی تلاوت ہوتی ہے روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے ہیں:

(خرّواسجداو بکیا) (سورہ مریم آیت 58) (و یخرون للاذقان یبکون و یزیدهم خشوعا) (سورہ بنی اسرائیل آیت 109)

4۔ مگرمچھ کے آنسو: سورہ یوسف کی یہی سولہویں آیت جس میں برادران یوسف اپنے باپ کی خدمت میں روتے ہوئے آئے کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا (یبکون)

آیت 17:

(17) قَالُوا يَاأَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ .

''اور کہنے لگے : اے بابا ! ہم لوگ تو جاکر دوڑ لگانے لگے اور یوسف کو (تنہا)اپنے اسباب کے پاس چھوڑ دیا اتنے میں بھیڑیاآکر اسے کھاگیا اور ہم لوگ سچے بھی ہوں پھر بھی آپ کو ہماری باتوں پر یقین نہیں آئے گا''۔

نکات:

بھائیوں نے اپنی خطا کی توجیہ کے لئے پے درپے تین جھوٹ کا سہارہ لیا:

1۔ کھیلنے گئے تھے۔

2۔ یوسف کو سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا۔

3۔ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا۔

پیام:

1۔ خیانت کار؛ ڈرپوک اور جھوٹا ہوتا ہے، راز فاش ہونے سے ڈرتا ہے(ما انت بمومن لنا و لو کنا صادقین)

2۔ مقابلہ و مسابقہ کا رواج گزشتہ ادیان میں بھی تھا۔(نستبق)

آیت 18:

(18)وَجَاءُوا عَلَى قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَااللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ

''یہ لوگ یوسف کے کرتے پر جھوٹ موٹ (بھیڑ)کا خون بھی(لگا کے باپ کے پاس)لے آئے ۔ یعقوب نے کہا (بھیڑئے نے نہیں کھایا ہے)بلکہ تمہارے دل نے تمہارے بچ کے لئے ایک بات گڑھی ہے پھر (تو مجھ کو)صبر جمیل (کرنا) ہے اور جو تم لوگ کہتے ہو اس پر خدا ہی سے مدد مانگی جاتی ہے''۔

نکات:

مقدرات الٰہی پر صبر کرنا اچھی بات ہے لیکن ایک بچے پر جو ظلم ہوا ہے اس پر صبر کرنا کون سی ایسی بات ہے جسے حضرت یعقوب (ع) "فصبر جمیل" سے یاد فرمارہے ہیں؟

جواب: سب سے پہلی بات تو یہ کہ حضرت یعقوب (ع) وحی کے ذریعہ سے جانتے تھے کہ جناب یوسف (ع) زندہ ہیں۔ دوسری بات یہ کہ جناب یعقوب (ع) کی ذرا سی ایسی حرکت جس سے بھائیوں کو گمان ہو جاتا کہ حضرت یوسف (ع) زندہ ہیں تو وہ کنویں پر جا کر انہیں نیست و نابود کر دیتے، تیسری بات یہ کہ ایسا کام نہیں کرنا چاہیئے کہ حتی ظالموں پر بھی مکمل طور پر توبہ کی راہیں بند ہو جائیں۔

پیام:

1۔ مظلوم نمائی کے دھوکے میں نہ (جناب یعقوب (ع) خون بھرے کرتے اور آنسو کے فریب میں نہ آئے بلکہ فرمایا یہ تم نے اپنے بچ کے لئے گڑھا ہے) (بل سولت لکم انفسکم)

2۔ سازشوں سے بچتے رہو۔ (بدم کذب)

3۔ نفس اور شیطان، انسان کے نزدیک گناہ کو اچھا کر کے پیش کرتے ہیں اور گناہگاروں کے لئے طرح طرح کے بہانے بناتے ہیں۔ (بل سولت لکم انفسکم)

4۔ بہترین صبر وہ ہے جہاں دل جل رہا ہو آنسو نہ تھمتے ہوں پھر بھی خدا فراموش نہ ہو۔ (واللہ المستعان)

5۔ باطنی طاقت اور صبر کے علاوہ حوادث میں انسان کو اللہ سے بھی مدد حاصل کرنی چاہیئے (فصبر جمیل واللہ المستعان)

آیت 19:

(19) وَجَائَتْ سَيَّارَ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَى دَلْوَهُ قَالَ يَابُشْرَى هَذَا غُلَامٌ وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَ وَاللهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ .

''اور (خدا کی شان دیکھو یوسف کنویں میں تھے کہ)ایک قافلہ (وہاں)آکر اترا ان لوگوں نے اپنے سقے کو (پانی بھرنے) بھیجا اس نے اپنا ڈول ڈالا ہی تھا (کہ یوسف اس میں ہو بیٹھے اور اس نے کھینچا تو باہر نکل آئے) وہ پکارا ! آہا یہ تو لڑکا ہے اور قافلہ والوں نے یوسف کو قیمتی سرمایہ سمجھ کر چھپا رکھا حالانکہ جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں خدا اس سے خوب واقف ہے''۔

نکات:

خداوند متعال اپنے مخلص بندوں کو ان کے حال پر نہیں چھوڑتا بلکہ مصیبتوں اور مشکلات سے نجات دیتا ہے۔

جیسا کہ جناب نوح (ع) کو پانی کے اوپر، جناب یونس (ع) کو پانی کے اندر اور جناب یوسف (ع) کو پانی کے کنارے نجات دی۔ اسی طرح جناب ابراہیم (ع) کو آگ سے جناب موسیٰ (ع) کو وسط دریا میں اور حضرت محمد مصطفیٰ (ص) کو غار کے اندر، حضرت علی علیہ السلام کو شب ہجرت رسول اکرم (ص) کے بستر پر سوتے ہوئے نجات دی۔

جب بھی خدا ارادہ کرتا ہے تو انسانی درخواست اور خواہش کے بغیر وہ جامہ عمل سے آراستہ ہو جاتا ہے۔ جناب موسیٰ (ع) آگ لانے گئے تھے لیکن وحی اور پیغمبری کے ساتھ لوٹے، یہ قافلہ پانی

لانے کے لئے گیا تھا لیکن وہ جناب یوسف (ع) کو نجات دے کر لوٹا۔

ارادۂ الٰہی سے کنویں کی رسی وسیلہ قرار پائی کہ جناب یوسف (ع) کنویں کی گہرائی سے نکل کر تخت وتاج اور حکومت تک پہنچیں تو ذرا غور کریں کہ "حبــل اللہ" (اللہ کی رسی) سے کیا کیا کارنامے انجام پذیر ہو سکتے ہیں اور انسان بلندیوں کی کن منازل تک پہنچ سکتا ہے۔

پیام:

1۔ جب اپنے حمایت نہیں کرتے توخدا غیروں کے ذریعہ سے مدد کرتا ہے جناب یوسف کے بھائی انہیں کنویں میں ڈال کر چلے گئے لیکن ناآشنا قافلہ نے انہیں نجات دی (جائت سیار)

2۔کام کاآپس میں تقسیم کرنا معاشرتی زندگی کے اصولوں میں سے ایک اصل ہے (واردھــــم) (پانی لانے کے ذمہ دار شخص کاذکر ہے)

3۔ کچھ لوگ انسان کو بھی بضاعت اور پونجی سمجھنے لگتے ہیں۔ (بضاع)

4۔ حقیقت دوسروں سے پوشیدہ ہوسکتی ہے لیکن عالم الغیب خدا سے کیسے پوشیدہ ہو[1] (اسروہ ... واللہ علیم)

----

(1)واقعہ یوسف میں ہر گروہ نے کچھ نہ کچھ چھپانا چاہا لیکن خداوند عالم نے سب کچھ آشکار کردیا بھائیوں نے کنویں میں ڈالنے کو چھپایا، زلیخا نے اپنے عشق کو چھپایا۔ لیکن خدا نے ظاہر کردیا.

آیت 20:

(20) وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ۔

''(قافلے والوں نے) یوسف کو بڑی کم قیمت پر چند گنتی کے کھوٹے درہم کے عوض بیچ ڈالا اور وہ لوگ اس میں زیادہ طمع بھی نہیں رکھتے تھے''۔

نکات:

ہر آدمی اپنے وجود کے یوسف کو سستا بیچ کر پشیمان ہوتا ہے کیونکہ ، عمر، جوانی ، عزت و استقلال اور انسان کی پاکیزگی ان میں سے ہر ایک یوسف ہے جسے سستا نہیں بیچنا چاہیئے۔

پیام:

1۔ وہ مال جو آسانی سے آتا ہے وہ آسانی سے چلا بھی جاتا ہے (شَرَوْہ)

2۔ جو شخص کسی چیز کی اہمیت اور قیمت کو نہیں پہچانتا اسے سستا بیچ دیتا ہے (بِثَمَنٍ بَخْسٍ) (قافلہ والے حضرت یوسف (ع) کی حقیقت و اہمیت سے ناآشنا تھے)

3۔ انسان پہلے گرایا جاتا ہے پھر غلام بنایا جاتا ہے اس کے بعد سستا بیچ دیا جاتا ہے۔

4۔ پیسوں کی تاریخ، اسلام سے ہزاروں سال پرانی ہے (دَرَاهِمَ)

5۔ نظام غلامی اور غلام فروشی کا سابقہ طولانی ہے۔ (شَرَوْہ)

6۔ قانون طلب و رسد (بازار میں مال کی آمد اور خریدار کی کثرت) قیمت کی تعیین میں موثر ہے (چونکہ قافلے والے بیزار تھے اس لئے یوسف کو ارزاں بیچ دیا)

7۔بے معرفت مردوں نے جناب یوسف (ع) کو کم قیمت میں بیچ دیا لیکن با معرفت عورتوں نے جناب یوسف (ع) کو ایک کریم فرشتہ کہا۔ روایت میں آیا ہے "رُبّ امرئ افقه من الرجل" کتنی ہی ایسی عورتیں ہیں جو مردوں سے زیادہ سمجھ دار ہوتی ہیں۔

آیت 21:

(21) وَقَالَ الَّذِى اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِى مَثْوَاهُ عَسَى أَنْ يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِى الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَايَعْلَمُونَ

''اور مصر کے لوگوں میں سے جس نے ان کو خریدا تھا اس نے اپنی بیوی سے کہا: اس کو عزت و آبرو سے رکھو (غلام نہ سمجھو) عجب نہیں یہ ہمیں کچھ نفع پہنچائے یا (شاید) اسکو اپنا بیٹا ہی بنا لیں ۔اور یوں ہم نے یوسف کو اس سرزمین میں (جگہ دے کر) قابض بنایا اور غرض یہ تھی کہ ہم اسے خواب کی باتوں کی تعبیر سکھائیں اور خدا تو اپنے کام پر ہر طرح سے غالب و قادر ہے مگر بہتیرے لوگ اسے نہیں جانتے ہیں''۔

نکات:

اگر انسان کا خریدار عزیز ہو تو تلخ حوادث میں بھی انجام اچھا ہوتا ہے لہٰذا اگر ہم خود کو واقعی عزیز (یعنی خدائے متعال) کے ہاتھوں بیچ ڈالیں تو آخرت میں خسارت و حسرت میں گرفتار نہ ہوں گے۔

پیام:

1۔ بزرگواری جناب یوسف (ع) کے چہرہ سے نمایاں تھی یہاں تک کہ جس نے آپ (ع) کو خریدا اس نے بھی اپنی بیوی سے تاکید کردی کہ ان کو غلام کی نگاہ سے نہ دیکھے۔ (أَكْرِمِى مَثْوَاهُ)

2۔ دل، اللہ کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں۔ لہٰذا حضرت یوسف (ع) کی محبت خریدار کے دل میں بیٹھ گئی (عَسَى أَنْ يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا)

3۔ لوگوں کا احترام کرکے ان سے مدد کی امید رکھ سکتے ہیں (اکرمی ... ینفعن)

4۔ بچے کو گود لینا تاریخی سابقہ رکھتا ہے (نَتَّخِذَهُ وَلَدًا)

5۔ علم و قدرت ،ذمہ داری کو قبول کرنے کی دو شرطیں اور نعمت الٰہی ہیں (مَكَّنَّا... لِنُعَلِّمَه)

6۔ تلخیاں برداشت کرنے کا نتیجہ شیرینی ہے(بِثَمَنٍ بَخْسٍ... مَكَّنَّا لِيُوسُفَ)

7۔خدا کا غالب ارادہ جناب یوسف (ع) کو چاہ سے جاہ تک لے گی(مَكَّنَّا لِيُوسُفَ)

8۔ جس کو ہم حادثہ سمجھتے ہیں در حقیقت خداوند عالم اس کے ذریعہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی راہ ہموار کرتا ہے(غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ)

9۔ لوگ ظاہری حوادث کو دیکھتے ہیں لیکن الٰہی اہداف سے بے خبر ہوتے ہیں(لاَيَعْلَمُون)

آیت 22:

(22) وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذَلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِينَ .

''اور جب یوسف اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو حکم (نبوت یا حکمت) اور علم عطا کیا اور نیکوکاروں کو ہم ایسے ہی جزا دیا کرتے ہیں''۔

نکات:

کلمہ "أَشُـــــــد"کا ریشہ ''شدّ'' ہے جو مضبوط گرہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یہاں بطور استعارہ(1) ''روحی و جسمی استحکام'' کے لئے آیا ہے۔

یہ کلمہ قرآن مجید میں کبھی بلوغ کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسے سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوا ہے"حتی یبلغ اشدہ" [2]یعنی مال یتیم کے قریب نہ ج یہاں تک کہ وہ سن بلوغ تک پہنچ جائے۔اور کبھی ''یہی ''اشد چالیس سال کے سن کے لئے استعمال ہوا ہے جیسے سورہ احقاف میں ارشاد ہوا ہے"بلغ اشدہ و بلغ اربعین سن"[3]اور کبھی بڑھاپے سے پہلی والی زندگی کے لئے استعمال ہوا ہے جیسے سورہ غافر میں ارشاد ہوا"ثم یخرجکم طفلا ثم لتبلغوا اشد کم ثم لتکونوا شیوخا"[4]

----

(1)استعارہ علم معانی بیان کی ایک اصطلاح ہے جو در حقیقت تشبیہ ہے لیکن فرق یہ ہے کہ تشبیہ میں مشبہ و مشبہ بہ مذکور ہوتا ہے لیکن جب یہ حذف ہو جاتے ہیں تو اسے ''استعارہ'' کہتے ہیں۔مترجم

(2) سورہ انعام آیت 152،

(3) سورہ احقاف آیت 15،

(4) سورہ غافر آیت 62.

پیام:

1۔ایک قوم و معاشرے کی رہبری کے لئے علم و حکمت کے علاوہ جسمی طاقت بھی ضروری ہے(بَلَغَ أَشُدَّه)

2۔علوم انبیاء (ع) اکتسابی نہیں ہیں(آتَیْنَاهُ عِلْمً)

3۔ الطافِ الٰہی انسان کی لیاقت اور قانون کی بنیاد پر ہےں (نَجْزِی الْمُحْسِنِین)

4۔ پہلے نیکی اور احسان کرنا چاہیئے تاکہ انعام الٰہی کے لائق ہوسکیں(نَجْزِی الْمُحْسِنِین)

5۔نیک کام کرنے والے اس دنیا میں بھی کامیاب ہوجاتے ہیں(کَذَلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِینَ)

6۔ ہر وہ شخص جو علمی اور جسمانی طاقت رکھتا ہے لطف الٰہی اس کے شامل حال نہیں ہوتا بلکہ محسن ہونا بھی ضروری ہے۔(نَجْزِی الْمُحْسِنِین)

آیت 23:

(23) وَرَاوَدَتْهُ الَّتِی هُوَ فِی بَیْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَیْتَ لَکَ قَالَ مَعَاذَ اللهِ إِنَّهُ رَبِّی أَحْسَنَ مَثْوَایَ إِنَّهُ لاَ یُفْلِحُ الظَّالِمُونَ .

"اور جس عورت کے گھر میں حضرت یوسف رہتے تھے اس نے (اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے) خود ان سے آرزو کی اور تمام دروازے بند کردیئے اور (بے تابانہ) کہنے لگی: لو میں تمہارے لئے آمادہ ہوں یوسف نے کہا: معاذاللہ (اللہ کی پناہ) وہ میرا پروردگار ہے اس نے مجھے اچھا مقام دیا ہے (میں ایسا ظلم

کیونکر کرسکتا ہوں) بے شک (ایسا) ظلم کرنے والے فلاح نہیں
پاتے''۔

نکات:

آآیت کے اس جملہ "إِنَّـهُ رَبِّـى أَحْسَـنَ مَثْـوَاىَ" کی تفسیر میں دو احتمال پائے جاتے ہیں:

1۔خداوند متعال میرا پروردگار ہے جس نے مجھے عزت دی ہے اور میں نے اسی کی طرف پناہ لی ہے۔

2۔عزیز مصر میرا مالک ہے اور میں نے اس کے دستر خوان پر زندگی گزاری ہے، اس نے تم سے میرے بارے میں ''اکرمی مثواہ'' کہا ہے لہٰذا میں اس سے خیانت نہیں کر سکتا۔

یہ دونوں احتمال اپنے لئے دلائل رکھتے ہیں اور شواہد کی بنیاد پر استناد بھی کیا جاتا ہے۔ لیکن ہماری نظر میں پہلا احتمال بہتر ہے کیونکہ حضرت یوسف (ع) نے تقوی الٰہی کی بنیاد پر خود کو گناہ سے آلودہ نہ کیا۔ نہ یہ کہ اس بنیاد پر پرہیز کیا کہ چونکہ میں عزیز مصر

کے گھر میں رہتا ہوں اور اس کے مجھ پر حق ہیں لہٰذا اس کی بیوی کے ساتھ برا قصد نہیں کروں گا۔ کیونکہ یہ کام تقوی سے کم تر ہے۔

یقینا اس سورہ میں چند جگہوں پر کلمہ (ربّـــک) سے مراد ''عزیز مصر'' ہے لیکن کلمہ "ربـــــــیّ"جو استعمال ہوا ہے اس سے مراد خداوند متعال ہے۔ دوسری طرف جناب یوسف (ع) کی شان سے بعید ہے کہ وہ خود کو اتنا حقیر بنالیں کہ عزیز مصر کو "ربـــیّ" کہنے لگیں۔

پیام:

1۔ جہاں کم تقوی اور نا محرم عورتیں رہتی ہیں وہاں جوان لڑکوں کو نہیں چھوڑنا چاہیئے کیونکہ وہاں غلط آرزں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں (وَرَاوَدَتْهُ ... فِي بَيْتِهَ)

2۔بڑے گناہ نرم لطیف انداز سے شروع ہوتے ہیں۔(وَرَاوَدَتْهُ)

3۔غلط کام کرنے والوں کا نام لینے سے پرہیز کرنا چاہیئے ان کے سلسلے میں فقط اشارہ کنایہ سے بات کرنی چاہیے (الَّتِي)

4۔ مرد کا پاک ہونا کافی نہیں ہے کیونکہ کبھی کبھی عورتیں بھی مردوں کے لئے پریشانی کا باعث ہوتی ہیں(وَرَاوَدَتْهُ)

5۔ نامحرم مرد و عورت کا کسی ایسی جگہ جمع ہونا جہاں کوئی نہ ہو ،گناہ کی راہ ہموار کرتا ہے(غَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَکَ)

6۔ ہمیشہ تاریخ میں ''زنا کا گناہ ایک ثابت شدہ جرم ہے'' اسی وجہ سے عزیز مصر کی بیوی نے تمام دروازوں کو مضبوطی سے بند کر دیا تھا۔ (غَلَّقَتْ الْأَبْوَابَ)

7۔ رسوائی سے بچنے کے لئے بذات خود اقدامات کئے۔ (غَلَّقَتْ)

8۔ عشق بطور دفعی اور یک بارگی نہیں ہوتا بلکہ دل لبھانے کے نتیجہ میں تدریجاً پیدا ہوتا ہے یوسف کا مسلسل گھر میں رہنا عشق کا باعث ہوا (فِی بَیْتِہَ)

9۔ شہوت کی طاقت اس حد تک ہے کہ بادشاہ کی بیوی بھی اپنے غلام کی اسیر ہو جاتی ہے۔(وَرَاوَدَتْهُ الَّتِی)

10۔ تقوی کی بہترین قسم یہ ہے کہ خدا سے محبت کی بنیاد پر گناہ نہ کریں نہ کہ دنیا میں رسوائی اور آخرت کے خوف سے گناہ ترک کریں(مَعَاذَ اللّٰہِ إِنَّهُ رَبِّی أَحْسَنَ مَثْوَایَ)

11۔تمام دروازے بند ہیں لیکن خدا کی پناہ کا دروازہ کھلا ہے۔(غَلَّقَتِ الْأَبْوَاب ...مَعَاذَ اللّٰہِ)

12۔ تقوی اور انسانی ارادہ انحراف اور غلطیوں کی راہ پر غالب آسکتا ہے(مَعَاذَ اللّٰہِ)[1]

----

(1)اولیاء الٰہی خدا کی پناہ حاصل کرتے ہیں اور اس سے فائدہ بھی اٹھاتے ہیں۔ حضرت موسیٰ (ع) نے فرعون کے فتنوں سے خدا

کی پناہ مانگی(انی عذت بربی و ربکم من کل متکبر لا یومن بیوم الحساب .)(سورہ مومن آیت 27)،جناب مریم کی والدہ فرماتی ہیں : خدایا میں مریم اور اسکی نسل کو تیری پناہ میں دیتی ہوں(انی اعیذھا بک و ذریتھا من الشیطان الرجیم)(سورہ آل عمران آیت 36)خداوند عالم اپنے پیغمبر کو اپنی ذات کی پناہ حاصل کرنے کا حکم دیتا ہے (قل اعـوذ...)(سورہ فلق آیت 1، سورہ ناس آیت 1)

13۔خدا سے لو لگانا گناہ اور لغزش سے دور رہنے کا سبب ہے (مَعَاذَ اللہِ)

14۔اگر ہمارا کوئی بزرگ یا سربراہ گناہ کا حکم دے تو ہمیں اس کی اطاعت نہیں کرنا چاہیئے (هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللهِ)(لا طاع لمخلوق فی معصی الخالق)لوگوں کی اطاعت کے لئے اللہ کی معصیت نہیں کرنا چاہیئے [1]

15۔اعوذ باللہ کہنے کے بجائے یک بیک خدا کی پناہ میں چلے گئے اور"مَعَاذَ اللهِ"کہہ دیا تاکہ اپنی پناہندگی (کہ میں نے خود پناہ حاصل کی ہے) کو بیان نہ کریں درحقیقت حضرت یوسف (ع) اپنے لئے کسی کمال کے قائل نہ ہوئے۔

16۔گناہ کے انجام کی یاد، گناہ کرنے سے روکتی ہے(لاَ يُفْلِحُ الظَّالِمُون)

17۔ زنا یا پاک دل نوجوان کے خلاف سازش کرنا، خود اپنے او پر ،اپنے شوہر یا بیوی پر ،معاشرے اور معاشرے کے افراد پر ظلم ہے۔(لاَ يُفْلِحُ الظَّالِمُون)

18۔ پل بھر کا گناہ انسان کو ابدی فلاح و بہبود سے روک دیتا ہے۔(لاَيُفْلِحُ الظَّالِمُون)

19۔گناہ کرنا ناشکری اور کفران نعمت ہے۔(لاَ يُفْلِــــــــحُ الظَّالِمُون)

----

(1) بحار۔ج،10 ص 227

آیت 24:

(24) وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلاَ أَنْ رَّأَى بُرْهَانَ رَبِّهِ كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ .

''(عزیز مصر کی بیوی) زلیخا نے تو ان کے ساتھ (برا) ارادہ کر ہی لیا تھا اور اگر یہ بھی اپنے پروردگار کی دلیل نہ دیکھ چکے ہوتے تو (عزیزہ کی بنیاد پر) قصد کر بیٹھتے (ہم نے اس کو یوں بچایا) تاکہ ہم اس کو برائی اور بدکاری سے دور رکھیں، بے شک وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھا''۔

نکات:

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''برہان رب'' علم و یقین اور حکمت کا نور تھا جس کو خداوند عالم نے گزشتہ آیتوں میں ذکر فرمایا ہے(آتینـــاہ علمـــا و حکمـــا)[1]اور جیسا کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ برہان رب سے مراد ؛باپ یا جبرئیل (ع) کی صورت دیکھنا ہے،اس کی کوئی محکم سند نہیں ہے۔

قرآن مجید میں کئی مرتبہ اولیائے خدا کے بارے میں دشمنان دین کی سازشوں اور ارادوں کا ذکر آیا ہے لیکن ان تمام موارد میں،خداوند عالم نے ان کی سازشوں پر پانی پھیر دیا مثلاًجنگ تبوک سے واپسی پر منافقین نے چاہاکہ پیغمبر اسلام (ص)کے اونٹ کو بھڑکا کرآنحضر(ص)ت کو شہید کردیں لیکن وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہوسکے،(وھموا بما لم ینالوا)[2]

----

(1) تفسیر کشف الاسرار.

(2)۔ سورہ توبہ آیت 74.

نیز کچھ لوگوں نے پیغمبر اسل (ص) م کو منحرف کرنے کاارادہ کیا (فهمّت طائف منهم ان يضلوك)[1]

یا دست درازی کاارادہ کیالیکن کامیاب نہیں ہوئے (همَّ قوم ان يبسطوا اليكم ايديهم فكف ايديهم عنكم[2]

پیام:

1۔ اگر امداد الٰہی نہ ہو تو ہر شخص کے پیر پھسل جائیں (وَهَمَّ بِهَا لَوْلاَ أَنْ رَأَى بُرْهَانَ رَبِّهِ)

2۔ خداوند متعال اپنے مخلص بندوں کی حفاظت کرتا ہے (لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ... إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ)

3۔انبیاء (ع) میں عام انسانوں کی طرح غریزہ شہوت موجود ہے لیکن خدا پر قوی ایمان ہونے کی بنیاد پر گناہ نہیں کرتے[3] (هَمَّ بِهَا لَوْلاَ أَنْ رَأَی بُرْهَانَ رَبّه)

----

(1) سورہ نساء آیت 113.

(2) سورہ مائدہ آیت 11.

(3) حضرت یوسف (ع) پاکدامن اور معصوم تھے۔اسکی دلیل ان لوگوں کا بیان ہے جو کسی نہ کسی طرح آپ (ع) سے متعلق تھے ۔ بطور نمونہ کچھ دلیلیں ملاحظہ ہوں۔1۔خداوند عالم نے فرمایا: لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِینَ۔2۔خود حضرت یوسف (ع) نے فرمایا: رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ۔پروردگارا! قید خانہ میرے لئے اس سے بہتر ہے جسکی طرف یہ لوگ مجھے بلارہے ہیں۔دوسری جگہ

پھر فرمایا: انی لم اخنہ بالغیب۔ میں نے صاحب خانہ کے پیچھے خیانت نہیں کی ہے۔ 3۔ زلیخا نے کہا: لقد روادتہ عن نفسہ فاستعصم۔ یقینا میں نے یوسف کو لبھایا تھا لیکن وہ معصوم ہیں ۔4۔ عزیز مصر نے کہا: یوسف اعرض عن ھذا واستغفری لذنبک۔ اے یوسف تم اس ماجرا سے صرف نظر کرلو۔ اور زلیخا سے کہا: تم اپنے گناہ سے توبہ کرو۔ 5۔ شاہد جس نے گواہی دی کہ اگر کرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو معلوم ہو گا کہ یوسف پاکدامن ہیں (ان کان قمیصہ...)۔ 6۔ مصر کی عورتوں نے گواہی دی کہ ہم جناب یوسف کے بارے میں کوئی گناہ نہیں جانتیں، (ما علمنا علیہ من السوئ) 7۔ ابلیس کہ جس نے تمام لوگوں کو فریب دینے کا وعدہ کیا ہے اس نے کہا: الا عبادک منھم المخلَصین میں

تیرے مخلص بندوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا، اور یہ آیت جناب یوسف (ع) کو "مخلَص" کہہ رہی ہے۔

آیت 25:

(25) وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلاَّ أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ .

''اور دونوں دروازے کی طرف جھپٹ پڑے اور زلیخا نے پیچھے سے ان کا کرتہ (پکڑ کر کھینچا) اور پھاڑ ڈالا، ناگہانی دونوں نے زلیخا کے شوہر کو دروازے کے پاس کھڑا پایا، زلیخا (یوسف سے انتقام لینے یا اپنی پاکدامنی ثابت کرنے کے لئے) جھٹ (اپنے شوہر) سے کہنے لگی کہ جو تمہاری بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے اسکی سزا اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ یا تو قید کر دیا جائے یا دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا جائے''؟۔

نکات:

"استباق" کے معنی یہ ہیں کہ دو یا چند آدمی ایک دوسرے سے سبقت و پہل کریں "قدّ" لمبائی میں پھٹ جانے کو کہتے ہیں۔

"لفاءٔ" یعنی ناگہاں پالینا۔

پیام:

1۔ صرف معاذاللہ کہنے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ گناہ سے فرار بھی ضروری ہے۔(وَاسْتَبَقَا)

2۔ کبھی ظاہری عمل ایک ہوتا ہے لیکن اہداف مختلف ہوتے ہیں ایک دوڑتا ہے تاکہ گناہ میں ملوث نہ ہو، دوسرا دوڑتا ہے تاکہ گناہ سے آلودہ کردے(اسْتَبَقَا)

3۔گناہ کی جگہ سے فرار کرنا اور ہجرت ضروری ہے(اسْـــتَبَقَا الْبَابَ)

4۔دروازے بند ہونے کا بہانہ کرنا کافی نہیں ہے بلکہ بند دروازے کی طرف بھاگنا چاہیئے شاید کھل جائے۔(اسْـــــتَبَقَا الْبَابَ)

5۔ عزیز مصر کی بیوی نے اپنے شوہر کے احساس اور اس کی محبت سے خوب خوب فائدہ اٹھانا چاہا(بِأَهْلِک)

6۔ مجرم خود کو بری الذمہ کرنے کے لئے دوسروں پر تہمت لگاتا ہے(أَرَادَ بِأَهْلِکَ سُوئ)

7۔ شکایت کرنے والا کبھی کبھی خود مجرم ہوتا ہے(قَالَتْ مَا جَزَائ...)

8۔ ہمیشہ سے شوہر دار عورت پر دست درازی کو جرم شمار کیا گیا ہے(مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِکَ سُوئً)

9۔ قید خانہ اور مجرموں کو قید کرنا تاریخی سابقہ رکھتا ہے (يُسْجَنَ)

10۔ عزیز مصر کی طرف سے سزا کا اعلان کرنا بیوی کی قدرت و طاقت کی علامت ہے(يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ)

11۔ ہوس آلود عشق، ایک پل میں عاشق کو قاتل بنا دیتا ہے۔

(يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ)

آیت 26:

(26) قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ .

''یوسف نے کہا : اس نے خود مجھ سے (میری خواہش کے برخلاف) میری آرزو کی تھی اور زلیخا ہی کے کنبہ والوں میں سے ایک گواہی دینے والے نے گواہی دی کہ اگر ان کا کرتا آگے سے پھٹا ہوا ہے تو یہ سچی ہے اور وہ جھوٹے (کیونکہ ایسی صورت میں یوسف اور عزیز مصر کی بیوی آگے سے ایک دوسرے سے درگیر ہوتے اور کرتا آگے سے پھٹتا)''

نکات:

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ وہ گواہ ایک بچہ تھا جس نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کی طرح گہوارے میں گواہی دی لیکن چونکہ اس کی سند محکم نہیں ہے لہٰذا اس پر اعتبار نہیں کر سکتے ہیں، بہتر یہی ہے کہ عزیز مصر کے مشاوروں میں سے ایک مشورہ دینے والے کو مانیں جو اس کی زوجہ کے خاندان سے تھا اور ذہین و ہوشمند تھا اور وہ عزیز مصر ہی کی طرح واقعہ کا گواہ ہو گیا۔ کیونکہ اگر وہ ماجرے کا عینی گواہ ہوتا تو جملہ شرطیہ کے ساتھ واقعہ کی گواہی دینا بے معنی ہو جائے گا(ان کان...)[1] (اگرایسا....)

----

(1) مقدسات پر تہمت لگانے کا مسئلہ قرآن مجید میں بہت جگہوں پر موجود ہے مثلاً حضرت مریم پر زنا کی تہمت لگائی گئ لیکن

خداوند نے نجات دی۔ پیغمبر اسلام کی بیوی پر بھی تہمت لگائی گئی
اور یہاں جناب یوسف (ع) کی طرف بدکاری کی نسبت دی گئی۔

پیام:

1۔جناب یوسف (ع) نے بات شروع نہیں کی۔ اگر عزیز کی زوجہ آپ (ع) پر تہمت نہ لگاتی تو شاید آپ (ع) اس کی آبروریزی نہ کرتے اور یہ نہ کہتے: (هِیَ رَاوَدَتْنِی)

2۔ جس پر تہمت لگائی جارہی ہے اس کو اپنا دفاع کرنا چاہیئے اور اصلی مجرم کو پہنچنوانا چاہیئے۔ (هِیَ رَاوَدَتْنِی)

3۔ جن راہوں کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا خدائے متعال ان راہوں سے مدد فرماتا ہے۔(شَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَ)

4۔ جرم شناسی میں باریک نکات سے مسائل کو کشف کیا جاتا ہے۔(إِنْ كَانَ قَمِیصُه...)

5۔ قاضی قرائن کی بنیاد پر فیصلہ کرسکتا ہے۔(مِنْ قُبُل)

6۔ بے گناہ کا دفاع واجب ہے ، خاموشی ہر جگہ اچھی نہیں ہوتی۔(شَهِدَ شَاهِدٌ)

7۔ جب خدا چاہتا ہے تو مجرم کے رشتہ دار بھی اس کے خلاف گواہی دیتے ہیں۔ (شَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَ)

8۔ گواہی میں حسب و نسب ، موقعیت اور رشتہ داری نہیں دیکھنی چاہیئے۔ (شَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَ)

آیت 27:

(27) وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنْ الصَّادِقِينَ .

''اور اگر ان کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہو تو یہ جھوٹی اور وہ سچے ہیں''۔

نکات:

جناب یوسف (ع) کی داستان میں آپ (ع) کا کرتا بڑا کارساز ہے۔ ایک جگہ کرتہ کا پیچھے سے پھٹا ہونا آپ (ع) کی بے گناہی اور زلیخا کا جرم ثابت کر گیا۔

دوسری جگہ کرتہ کا نہ پھٹنا بھائیوں کے جرم کا گواہ بن گیا کیونکہ جب انہوں نے جناب یوسف (ع) کو کنویں میں ڈالنے کے بعد آپ (ع)کے پیراہن کو خون آلود کرکے باپ کی خدمت میں دکھایا اور کہا کہ جناب یوسف (ع) کو بھیڑیا کھا گیا ہے تو جناب یعقوب (ع) نے پوچھا: پھر کرتہ کیوں نہیں پھٹا؟ اور قصہ کے آخر میں بھی کرتہ باپ کی بینائی کا سبب بنا۔

پیام:

1۔ جرم اور مجرم کی تشخیص کے لئے جرم شناسی کے طریقوں کا اپنانا ضروری ہے۔(إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ...)

آیت 28:

(28) فَلَمَّا رَأَى قَمِيصَهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ

''پھر جب عزیز مصر نے ان کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا (تو اپنی بیوی سے)کہنے لگا: یہ تم ہی لوگوں کے چلتر ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارے چلتر بڑے (غضب کے) ہوتے ہیں''۔

نکات:

کَیْدَکُنَّ سے مراد یہ ہے کہ پاک لوگوں پر تہمت لگانا اور خود سے بغیر پریشانی کے جلد از جلد تہمت کو دور کر دینا۔

اگرچہ قرآن مجید نے شیطان کے کید اور فریب کو کمزور شمار کیا ہے۔ان کید الشیطان کان ضعیفا۔[1] لیکن اس آیت میں عورتوں کے چلتر کو بڑا بتایا گیا ہے۔ صاحب تفسیر صافی فرماتے ہیں شیطان کا وسوسہ تھوڑی دیر کے لئے ، پیچھے سے ، غائبانہ اور چوری چھپے ہوتا ہے لیکن عورت کا فریب لطائف و محبت کے ساتھ ، سامنے سے اور دائمی ہوتا ہے۔

کبھی کبھی خدا بڑے بڑے کام چھوٹی چیزوں کے ذریعہ انجام دیتا ہے۔ ابرہہ کو ابابیل کے ذریعہ سرنگوں کرتا ہے، مکڑی کے جالے سے پیغمبر اسلام کی حفاظت کرتا ہے، کوّے کے ذریعہ

نسل بشر کو تعلیم دی جاتی ہے، گود کے بچے کے ذریعہ جناب مریم (ع) کی عفت اور پاکدامنی ثابت ہوتی ہے، پیچھے سے پھٹے ہوئے کرتے سے جناب یوسف کی پاکدامنی ثابت کرتا ہے،ہدہد کی خبر ایک ملک کو باایمان بنا دیتی ہے اور اصحاب کہف کا انکشاف پیسے کے نمونے کے ذریعہ فرماتا ہے۔

پیام:

1۔ حق نہیں چھپتا لیکن مجرم رسوا ہو جاتا ہے(إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ)

2۔ ناپاک عورتوں کے مکر وفریب سے بچنا چاہیئے کیونکہ ان کا چلتر بڑے غضب کا ہوتا ہے۔(إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ)

----

(1) سورہ نساء آیت 76.

آیت 29:

(29) يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا وَاسْتَغْفِرِی لِذَنْبِکِ إِنَّکِ كُنتِ مِنْ الْخَاطِئِين.

''(اور عزیز مصر نے یوسف سے کہا:) اے یوسف اس کو جانے دو (اسے کہیں اور بیان نہ کرنا) اور (اپنی بیوی سے کہا:) تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، کیونکہ بے شک تم ہی از سر تا پا خطاکاروں میں سے ہو''۔

پیام:

1۔ عزیز مصر چاہتا تھا کہ یہ بات مخفی رہ جائے لیکن سارا جہاں اس واقعہ سے مطلع ہو گیا تا کہ جناب یوسف (ع) کی پاکدامنی ثابت ہو جائے (يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَ)

2۔ عزیز مصر نے بھی دوسرے کاخ نشینوں کی طرح ناموس اور غیرت کے سلسلے میں کاہلی کی اور اپنی بیوی کی سرزنش و توبیخ سنجیدگی سے نہیں کی۔(وَاسْتَغْفِرِی)

3۔ غیر الٰہی نمائندے اپنی بیویوں کی غیر اخلاقی حرکات پر ان کے خلاف کوئی سنجیدہ اور فیصلہ کن اقدام کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔(وَاسْتَغْفِرِی)

4۔ عورت کا اپنے شوہر کے علاوہ کسی دوسرے سے جنسی رابطہ نامشروع و ناجائز ہے۔(وَاسْتَغْفِرِی لِذَنْبِک)

آیت 30:

(30) وَقَالَ نِسْوَةٌ فِی الْمَدِینَ امْرَ الْعَزِیزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا إِنَّا لَنَرَاهَا فِی ضَلَالٍ مُبِینٍ

''اور شہر (مصر) میں عورتیں چرچا کرنے لگیں کہ عزیز (مصر) کی بیوی اپنے غلام سے (ناجائز) مطلب حاصل کرنے کی آرزومند ہے بے شک غلام نے اسے اپنی الفت میں لبھایا ہے ہم لوگ تو اسے صریح غلطی میں مبتلا دیکھتے ہیں''۔

نکات:

"شغاف" ''دل کے اوپر پیچیدگی کو یا دل کے اوپر نازک جلد جو دل کو اپنے گھیرے میں لئے رہتی ہے'' اسے کہتے ہیں اس جملہ

میں شَغَفَهَا حُبًّا، کے معنی یہ ہیں کہ دل میں محبت رچ بس گئی ہے اور عشق شدید ہو گیا ہے[1]

ہر شخص جناب یوسف (ع) کو اپنانا چاہتا ہے جناب یعقوب (ع) اپنا فرزند جانتے ہیں (یا بُنَیَّ) قافلے والے آپ (ع) کو اپنا سرمایہ سمجھتے ہیں (شروہ بثمن بخس) عزیز مصر آپ (ع) کو اپنا گود لیا ہوا فرزند سمجھتا ہے (نتخذہ ولدا) زلیخا آپ (ع) کو اپنا معشوق سمجھتی ہے (شَغَفَهَا حُبًّا) قیدی آپ (ع) کو خواب کی تعبیر کرنے والا سمجھتے ہیں (نبئنا بتاویلہ) لیکن خدا آپ کو اپنا برگزیدہ بندہ اور رسول سمجھتا ہے (یجتبیک ربک) اور جو کچھ جناب یوسف (ع) کے لئے رہ گیا تھا وہ مقام رسالت تھا (واللہ غالب علی امرہ)

----

(1) تفسیر نمونہ.

پیام:

1۔ حکومتی افراد اور ان کے خاندان کی خبریں جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتی ہیں۔(قَالَ نِسْوَ ... امْرَ الْعَزِيز)

2۔ جب خدا چاہتا ہے تو دروازہ بند کرنے کے بعد بھی رسوائی کا داغ دامن کردار پر لگ ہی جاتا ہے۔(قَالَ نِسْوَ ... امْرَ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ...)

آیت 31:

(31) فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلاَّ مَلَكٌ كَرِيمٌ .

''تو جب زلیخا نے ان کے طعنے (اور بد گوئی) سنے تو اس نے عورتوں کو بلا بھیجا اور ان کے لئے ایک تکیہ گاہ آمادہ کی اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھری دے دی (تاکہ پھل وغیرہ کاٹ سکیں) اور یوسف سے کہا: اب ان کے سامنے سے نکل تو ج، پس جب عورتوں نے انہیں دیکھا تو انہیں بڑا حسین پایا اور وہ سب کی سب (بیخودی) میں اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں اور کہنے لگیں پاک ہے اللہ، یہ آدمی نہیں ہے یہ تو (ہو نہ ہو بس) ایک معزز فرشتہ ہے ''۔

نکات:

کلمہ " حاشا " اور "تحاشی "کنارے اور الگ تھلگ رہنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ،پرانے زمانے میں یہ رسم تھی کہ لوگ کسی کو بے عیب بتانا چاہتے تھے تو سب سے پہلے خداوند عالم

کے بے عیب ہونے کو بیان کرتے پھر اس شخص کی بے عیبی کو بیان کرتے تھے۔[1]

----

(1) تفسیر المیزان.

پیام:

1۔ کبھی کبھی دوسروں کے مسائل پیش کرنے کا ہدف دلسوزی نہیں ہوتی بلکہ حسد و جلن، سازش اور ان کے خلاف نقشہ کشی مد نظر ہوتی ہے (مَكْرِهِنّ)

2۔ جب عشق ہو جاتا ہے تو انسان ہاتھ کٹنے پر بھی متوجہ نہیں ہوتا۔ (قَطَّعْــنَ أَيْــدِيَهُنّ) (اب اگر آپ نے سنا کہ نماز کے وقت حضرت علی علیہ السلام کے پیروں سے تیر نکال لیا گیا لیکن آپ متوجہ نہ ہوئے تو اس پر تعجب نہ کیجئے، اس لئے کہ اگر ظاہری حسن اور سطحی عشق ہاتھ کٹنے کی حد تک بڑھ سکتا ہے تو جمال واقعی سے گہرا عشق و محبت انسان کو کس کمال تک پہنچا سکتا ہے؟)

3۔ فوراً کسی پر تنقید نہیں کرنی چاہیئے اس لئے کہ اگر اس کی جگہ پر آپ ہوتے تو شاید وہی کام کرتے۔ (قَطَّعْــنَ أَيْــدِيَهُنّ) (تنقید

کرنے والیوں نے جب ایک لحظہ کے لئے جناب یوسف کو دیکھا تو عزیز مصر کی بیوی کی طرح یوسف کی محبت میں گرفتار ہو گئیں۔)

4۔ کبھی کبھی مکر کا جواب مکر سے دیا جاتا ہے (عورتوں نے عزیز مصر کی بیوی کا راز فاش کرنے کی سازش کی تھی لیکن اس نے مہمان بلا کر تمام سازشوں سے پردہ فاش کر دیا۔(أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنّ)

5 ۔ بزرگ اور بزرگواری کے مقابلہ میں انسان فطری طور پر انکساری وتواضع سے پیش آتا ہے۔(أَكْبَرْنَه)

6۔ اہل مصر اس زمانے میں خدااور فرشتوں پر ایمان رکھتے تھے ۔(حَاشَ لِلّهِ ... مَلَكٌ كَرِيمٌ)

آیت 32:

(32) قَالَتْ فَذَلِكُنَّ الَّذِى لُمْتُنَّنِى فِيهِ وَلَقَدْ رَاوَدتُّهُ عَن نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ وَلَئِنْ لَمْ يَفْعَلْ مَا آمُرُهُ لَيُسْجَنَنَّ وَلِيَكُوناً مِّنَ الصَّاغِرِينَ

''(تب زلیخا ان عورتوں سے بولی جو اپنے ہاتھ کاٹ چکیں تھیں) بس یہ وہی تو ہے جس کے بارے تم سمجھے ملامت کرتی تھیں اور ہاں بے شک میں اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی خود اس سے آرزو مند تھی مگر اس نے اپنی عصمت قائم رکھی اور جس کام کا میں حکم دیتی ہوں اگر یہ نہ کرے گا تو ضرور قید بھی کیا جائے گا اور خوار بھی ہوگا''۔

نکات:

نفسیاتی اور معاشرتی شرائط انسان کے عکس العمل میں اثر انداز ہوتے ہیں جب زلیخا اپنے برے کام کے آشکار ہونے سے ڈری تو "غلقت الابواب" دروازے بند کر ڈالے، لیکن جب مصر کی عورتوں کو اپنی طرح دیکھتی ہے تو علی الاعلان کہتی ہے "انا راودته"میں اس کی آرزومند تھی۔

اسی طرح جب کسی معاشرے میں برائی کا احساس ختم ہو جاتا ہے تو ان کے لئے گناہ بڑے آسان ہو جاتے ہیں۔ شاید اسی کو روکنے کے لئے ہم دعائے کمیل میں پڑھتے ہیں "اللهم اغفرلی الذنوب التی تهتک العصم "پروردگارا! میرے ان گناہوں کو بخش دے جو حیا کے پردے کو چاک کر دیتے ہیں۔ کیونکہ شروع میں انسان کے لئے گناہ کرنا سخت ہوتا ہے لیکن جب حیا و شرم ختم ہو جاتی ہے تو پھر گناہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

پیام:

1۔ دوسروں پر ایسی ملامت نہ کرو جس میں خود ہی گرفتار ہو ج (فَذَلِكُنَّ الَّذِى لُمْتُنَّنِى فِيهِ)

2۔ گناہ سے آلودہ عشق، رسوائی کا سبب ہوتا ہے۔ (رَاوَدتُّه)

3۔ جھوٹا رسوا ہوتا ہے ۔ جس نے کل کہا تھا کہ یوسف (ع) بدکاری کرنا چاہتے تھے (اراد باھلک سوئً) وہی آج کہہ رہی ہے۔ (لقدرَاوَدتُّه) میں نے آرزو کی تھی۔

4۔ کبھی دشمن بھی اپنے مدمقابل کی پاکدامنی کی گواہی دیتا ہے۔ (فَاسْتَعْصَمَ) کبھی کبھی مجرم کا ضمیر بھی بیدار ہوجاتا ہے۔

5۔ پاکدامنی نبوت کالازمہ ہے۔ (فَاسْتَعْصَمَ)

6۔ بہت سے پاکدامن افراد اپنے ارادے اور قصد سے زندان میں جاتے ہیں (فَاسْتَعْصَمَ... لَيُسْجَنَنَّ) جناب یوسف اپنی پاکدامنی کے باوجود قید خانہ میں ڈال دئے جاتے ہیں۔

7۔ قدرت و طاقت سے غلط فائدہ اٹھانا اہل طاغوت کا طریقہ کار ہے۔ (لَيُسْجَنَن)

8۔ قید اور رسوائی کی دھمکی، اہل طاغوت کا وطیرہ و حربہ ہے۔ (لَيُسْجَنَنَّ... الصَّاغِرِين)

9۔ ناکام عاشق دشمن ہو جاتا ہے۔ (قَالَت...لَيُسْجَنَنَّ وَلِيَكُوناً مِنَ الصَّاغِرِينَ)

10۔ محل میں رہنے والوں میں غیرت کی حس ختم ہو جاتی ہے (عزیز مصر نے اپنی بیوی کی خیانت کو سمجھ لیا تھا اور اس سے توبہ کرنے کے لئے بھی کہا تھا لیکن اس کے باوجود جناب یوسف (ع) اور زلیخا کے درمیان جدائی نہ ڈالی)

آیت 33:

(33) قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَیَّ مِمَّا یَدْعُونَنِی إِلَیْهِ وَإِلاَّ تَصْرِفْ عَنِّی کَیْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَیْهِنَّ وَأَکُنْ مِّنَ الْجَاهِلِینَ.

''(یہ سب باتیں سن کر یوسف نے) عرض کی اے میرے پالنے والے جس بات کی یہ عورتیں مجھ سے خواہش رکھتی ہیں اس کی نسبت مجھے قید خانہ زیادہ پسند ہے اور اگر تو ان عورتوں کا فریب مجھ سے دفع نہ فرمائے گا تو (مبادا) میں ان کی طرف مائل ہو جں اور جاہلوں سے شمار کیا جں''۔

نکات:

جناب یوسف (ع)، سراپا جواں مرد تھے۔ ایک بار بھائیوں کی حسادت کے نتیجے میں فدا ہوئے لیکن دشمنی نہیں کی۔ دوسری

مرتبہ زلیخا کی شہوت کی وجہ سے قربان ہوئے لیکن گناہ نہیں کیا۔
تیسری دفعہ قدرت کے وقت آپ (ع) نے اپنے بھائیوں سے
انتقام نہیں لیا۔ چوتھی مرتبہ جیسے ہی ملک کو خطرے میں دیکھا تو
وطن لوٹنے کی خواہش کے بجائے ملک کی نجات اور اقتصادی امور
کی تدبیر میں لگ گئے۔

ہر شخص کے لئے کوئی نہ کوئی چیز محبوب ہوتی ہے جناب یوسف
(ع) کو اپنی پاکدامنی، عورتوں کی آرزں سے زیادہ محبوب ہے۔
ایک گروہ کے لئے دنیا زیادہ محبوب ہے یستحبون الحیوٰ الدنیا [1]
اور مومنین کے لئے اللہ محبوب تر ہے۔ والذین آمنوا اشد حبّاً
للّٰہ [2][3]

----

(1) سورہ ابراہیم آیت 3 .

(2) سورہ بقر آیت 165 .

(3) واضح ہے کہ جناب یوسف (ع) کامرتبہ اس سے بھی بلند و

بالا ہے۔ مترجم.

پیام:

1۔ خدا کی ربوبیت کی طرف متوجہ ہونا آداب دعا میں سے ایک ادب ہے۔ (رَبِّ)

2۔ اولیائے خدا شریفانہ زندگی کی پریشانیوں کو، گناہوں میں ملوث آرام دہ زندگی سے بہتر سمجھتے ہیں۔ (رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ)

3۔ ہر آزادی کی اہمیت و عظمت نہیں ہے اور ہر قید خانہ عیب کا باعث نہیں ہے (رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ)

4۔ انسان، خدا کی مدد کی بنیاد پر ہر قسم کے حالات اور شرائط میں گناہ سے کنارہ کشی کرسکتا ہے (رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ) (گناہ کے ماحول سے ہجرت ضروری ہے)

5۔ رنج و محن گناہ کے مرتکب ہونے کا جواز نہیں ہو سکتے۔(رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ ...)

6۔ گناہ اور جنسی انحرافات سے محفوظ رہنے کے لئے خدا سے دعا اور مدد مانگنی چاہیئے(رَبِّ السِّجْنُ ...)

7۔ انسان کی شخصیت اسکی روح سے وابستہ ہے نہ کہ اسکے جسم سے اگر روح آزاد ہو تو زندان بھی بہشت ہے اور اگر روح تکلیف میں ہو تو محل سرا بھی قید خانہ ہوتا ہے(السِّجْنُ أَحَبّ)

8۔ یا تو تمام عورتیں جناب یوسف (ع) کی عاشق ہو گئیں اور ان تک پیغام بھجوایا یا پھر انہوں نے جناب یوسف (ع) کو عزیز مصر کی بیوی کی درخواست قبول کرنے کے لئے کہا(كَيْـــــــــدَهُنَّ ، يَدْعُونَنِی)

9۔ کوئی بھی انسان لطف خدا کے بغیر، گناہوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا ہے۔(وَإِلاَّ تَصْرِفْ عَنِّی...)بحرانی مواقع میں تنہا راہ نجات خدا پر بھروسہ ہے۔

10۔الہٰی امتحان لحظہ بہ لحظہ سخت سے سخت تر ہوتا جاتا ہے جناب یوسف (ع) پہلے ایک عورت کے مکر میں گرفتار تھے اب کئ عورتوں کے مکر میں گرفتار ہوگئے(کَیْدَهُنَّ ، إِلَیْهِنَّ)

11۔خدا کی ناراضگی مول لے کر لوگوں کو راضی کرنا، جہالت اور نادانی ہے۔(مِمَّا یَدْعُونَنِی ... وَأَكُنْ مِنْ الْجَاهِلِینَ)

12۔گناہ؛ وہبی اور خدا دادی علم کے سلب ہونے کا باعث بنتا ہے۔(اتیناه علما وحکما...اکن من الجاهلین)

13۔ صرف علم کا نہ ہونا جہالت نہیں ہے بلکہ ایک لحظہ کی لذت کا انتخاب کرنا اور رضائے الٰہی سے چشم پوشی بھی سب سے بڑی نادانی ہے۔(اکن من الجاھلین)

آیت 34:

(34) فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ .

''تو ان کے پروردگار نے ان کی سن لی اور ان سے عورتوں کے مکر کو دفع کردیا اس میں شک نہیں کہ وہ بڑا سننے والا واقف کار ہے''۔

پیام:

1۔اللہ والے مستجاب الدعوات ہوتے ہیں۔(فَاسْتَجَابَ لَهُ)

2۔جو شخص بھی خدا کی پناہ گاہ میں چلا جائے وہ ہر چیز سے محفوظ رہتا ہے۔(فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ)

3۔استجابت دعا خدا کے سمیع و بصیرا ورعلیم ہونے کی دلیل ہے۔(فَاسْتَجَاب ... هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ)

آیت 35:

(35) ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا رَأَوُا الْآيَاتِ لَيَسْجُنُنَّهُ حَتَّى حِينٍ

''پھر (عزیز مصر اور اس کے لوگوں نے) باوجودیکہ (یوسف کی پاکدامنی کی) نشانیاں دیکھ لی تھیں اسکے بعد بھی ان کو یہی مناسب معلوم ہوا کہ کچھ مدت کے لئے ان کو قید ہی کر دیں''۔

پیام:

1۔ حسن و خوبصورتی ہمیشہ خوش بختی نہیں ہے بلکہ) کبھی کبھی (دردسر بھی بن جاتا ہے۔(ثُمَّ بَدَا لَهُمْ ... لَيَسْجُنُنَّهُ)

2۔ ایک دیوانہ اگر کنویں میں ایک سوئی ڈال دے تو سو(100) عقلمند مل کر بھی باہر نہیں نکال سکتے ایک عورت عاشق ہو گئی لیکن اتنے مرد اور حکومتی افراد مل کر بھی اس رسوائی سے بچنے کے لئے کوئی فکر اور تدبیر نہ کر سکے۔(بَدَا لَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا رَأَوْ)

3۔ اہل طاغوت کے درباروں اور محلوں میں عدالت کا نفاذ اور محاکمہ دکھاوے کے لئے ہوتا ہے تاکہ بے گناہ لوگوں کو محکوم کیا جا سکے۔(لَيَسْجُنُنَّهُ)

4۔ کاخ نشین عام طور پر لاپرواہ اور بے شرم ہوتے ہیں۔ (مِنْ بَعْدِ مَا رَأَوُا الْآيَاتِ لَيَسْجُنُنَّهُ) جناب یوسف کی پاکدامنی کی ان تمام دلیلوں کے باوجود آپ کو قید خانہ میں ڈال دیتے ہیں۔

آیت 36:

(36) وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّى أَرَانِى أَعْصِرُ خَمْرًا وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّى أَرَانِى أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِى خُبْزًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ

''اور قید خانے میں یوسف کے ساتھ دو جوان بھی داخل ہوئے (چند دن کے بعد) ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے (خواب) دیکھا ہے کہ میں شراب (بنانے کے واسطے انگور) نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا (میں نے بھی خواب میں) اپنے کو دیکھا کہ میں اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے اس میں سے کھا رہے ہیں (یوسف) ہمیں اس کی تاویل بتا، یقیناً آپ ہمیں ایک نیک انسان نظر آتے ہیں''۔

نکات:

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جناب یوسف (ع) کو نیک انسان کہنے کی وجہ یہ تھی آپ (ع) قید خانہ میں مریضوں کی خدمت کرتے تھے اور محتاجوں کی مشکلات کو دور کرنے نیز تمام لوگوں کی مشکل حل کرنے کی سعی فرماتے تھے [1]

----

(1) تفسیر نور الثقلین۔ میزان الحکم مادہ (سجن)

پیام:

1۔ تاریخی طور پر قیدی اور قید خانہ کا سابقہ بہت قدیمی ہے۔ (وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ)

2۔ جناب یوسف (ع) کا قید خانہ، عمومی تھا۔(مَعَهُ السِّجْنَ)

3۔ لوگوں کا احترام کرنا چاہیئے۔ قرآن کریم جناب یوسف (ع) کے قیدی ساتھیوں کو

(فتیان) کہہ رہا ہے۔

4۔ تمام خوابوں کو آسان نہیں سمجھنا چاہیئے کیونکہ بعض خوابوں میں اسرار پوشیدہ ہوتے ہیں (أَرَانِی أَعْصِرُ خَمْرًا)۔(ممکن ہے کہ معمولی انسان بھی اہم خواب دیکھ لیں)

5۔ اگرانسان کسی پر اعتماد کرلیتا ہے تو اسکو اپنے تمام راز بتا دیتا ہے(إِنَّا نَرَاکَ مِنْ الْمُحْسِنِینَ)

6۔نیک سیرت افراد قید خانہ میں بھی دوسروں کو متاثر کر دیتے ہیں(إِنَّا نَرَاکَ مِنْ الْمُحْسِنِينَ)

7۔ مجرم اور گناہ کار لوگ بھی نیک طینت افراد کے لئے ایک خاص مقام و منزلت کے قائل ہوتے ہیں۔(إِنَّا نَرَاکَ مِنْ الْمُحْسِنِينَ)

آیت 37:

(37) قَالَ لاَيَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلاَّ نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ذَلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِى رَبِّى إِنِّى تَرَكْتُ مِلَّ قَوْمٍ لاَيُمِنُونَ بِاللهِ وَهُمْ بِالْآخِرَ هُمْ كَافِرُونَ.

''یوسف نے کہا: اس سے پہلے کہ جو کھانا تمہیں (قید خانہ سے) دیا جاتا ہے وہ آئے میں تمہیں اسکی تعبیر بتادوں گا یہ (تعبیر خواب بھی) منجملہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے تعلیم فرمائی ہیں، میں نے ان لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا ہے جو خدا پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں''۔

نکات:

آیت کے ترجمے کے پہلے حصے میں یہ احتمال ہے کہ لاَ یَأْتِیکُمَا... کا مقصود یہ ہو کہ میں خدا کی طرف سے جانتا ہوں کہ وہ غذا جو تمہارے لئے لائیں گے وہ کیا ہے۔ لہٰذا میں تمہارے خواب کی تعبیر بھی کر سکتا ہوں یعنی جناب یوسف (ع) نے تعبیر خواب کے علاوہ دوسری چیزوں کی بھی خبر دی ہے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام گھروں میں جو کچھ غذں کا ذخیرہ ہوتا تھا اور جو لوگ جو کچھ کھاتے تھے سب کی خبر دے دیتے تھے۔

سوال: جناب یوسف (ع) نے ان کے خواب کی تعبیر فوراً کیوں نہیں بتائی بلکہ اس کو کچھ دیر کے لئے مئخر کیوں کر دیا؟ اس سوال کے جواب کو فخر رازی کی زبان سے ملاحظہ فرمایئے:

1۔جناب یوسف (ع)ان کو انتظار میں رکھنا چاہتے تھے تاکہ اس مدت میں ان کو نصیحت اور تبلیغ کر سکیں تاکہ شاید وہ شخص جس کو پھانسی دی جانے والی ہے وہ ایمان لے آئے اور با ایمان اور عاقبت بخیر اس دنیا سے کوچ کرے۔

2۔جناب یوسف (ع)اس غذا کی قسم کو بیان کر کے جو ابھی نہیں آئی تھی انکا اعتماد حاصل کرنا چاہتے تھے۔

3۔جناب یوسف (ع)ان کو زیادہ تشنہ کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ اچھی طرح سنیں۔

4۔چونکہ ان میں سے ایک کے خواب کی تعبیر پھانسی تھی لہٰذا
دھر ادھر کی باتیں کررہے تھے تاکہ یہ بات سنتے ہی اس کی روح
پرواز نہ کرجائے۔

پیام:

1۔ کبھی کبھی زیادہ متاثر کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ انسان علمی قدرت اور کمالات کو دوسروں سے بیان کرے ۔(نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ)

2۔ فرصت سے خوب فائدہ اٹھانا چاہیئے۔(نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ... إِنِّى تَرَكْتُ مِلَّ...)جناب یوسف (ع) نے تعبیر خواب سے پہلے انکی تربیت اور عقیدہ کی اصلاح شروع کی۔

3۔ اپنی معلومات اور علم کو خدا کی عطا قرار دینا چاہیئے۔(عَلَّمَنِى رَبِّى)

4۔ تعلیم کا ہدف تربیت بھی ہے(عَلَّمَنِى رَبِّى)

5۔ خداوند عالم حکیم ہے لہٰذا بغیر کسی وجہ کے اپنے علم کے دروازے ہر کس و نا کس پر نہیں کھولتا(عَلَّمَنِى رَبِّى)اس لئے کہ

میں نے(تَرَكْتُ مِلَّ قَوْمٍ لاَ يُمِنُونَ)اس قوم کے عقیدہ کو چھوڑ دیا جو ایمان دار نہیں ہے۔

6۔جو کفر کی ظلمتوں سے فرار کرتا ہے اسکی نورِ علم تک رسائی ہوتی ہے(عَلَّمَنِى رَبّى... إِنّى تَرَكْتُ) میرے علم کا سبب کفر کو ترک کرنا ہے۔

7۔ تمام ادیان آسمانی میں توحید اور معاد کا عقیدہ ایک دوسرے کے ساتھ لازم ہے۔(قَوْمٍ لاَ يُمِنُونَ بِاللهِ وَهُمْ بِالْآخِرَ هُمْ كَافِرُونَ)

8۔ ایمان کی بنیاد تولّٰی اور تبرا ہے لہٰذا اس آیت میں کفار سے برائت اور بعد والی آیت میں اولیاء الٰہی سے تولّٰی کا تذکرہ ہے۔(إِنّى تَرَكْتُ...واتبعت)

آیت 38:

(38)وَاتَّبَعْتُ مِلَّ آبَائِی إِبْرَاهِیمَ وَإِسْحَاقَ وَیَعْقُوبَ مَا کَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِکَ بِاللهِ مِنْ شَیْءٍ ذَلِکَ مِنْ فَضْلِ اللهِ عَلَیْنَا وَعَلَی النَّاسِ وَلَکِنَّ أَکْثَرَ النَّاسِ لاَیَشْکُرُونَ .

''اور میں تو اپنے باپ دادا ابراہیم و اسحاق و یعقوب کے مذہب کا پیرو ہوں ہمارے لئے مناسب نہیں ہے کہ ہم خدا کے ساتھ کسی چیز کو (اس کا) شریک بنائیں یہ بھی خدا کی ایک بڑی مہربانی ہے ہم پر بھی اور تمام لوگوں پر، مگر بہترے لوگ (اس کا) شکر (بھی) ادا نہیں کرتے''۔

نکات:

خاندانی شرافت جس طرح لوگوں کی شخصیت سازی میں موثر ہے اسی طرح قبول کرنے میں بھی اثر انداز ہے لہٰذا حضرت یوسف علیہ السلام خود کو پہچنوانے کے لئے نہ صرف اپنے باپ دادا کے انبیاء (ع) ہونے پر انحصار کررہے ہیں بلکہ اپنی خاندانی شرافت و عظمت کو پیش کرنے کے ساتھ ہی ساتھ اپنی دعوت حق کی اہمیت کو بھی اجاگر کر رہے ہیں یہ وہی روش ہے جسے اپنا تعارف کروانے کے لئے ہمارے پیغمبر (ص) نے اختیار فرمایا: میں وہی نبی امی ہوں جسکا نام و تعارف توریت وانجیل میں موجود ہے۔ نیز امام حسین علیہ السلام اور امام زین العابدین علیہ السلام نے بھی کربلا و شام میں اپنی معرفت کروانے کے لئے اسی روش سے استفادہ فرمایا تھا: (انا بن فاطم الزهر(ع)[1]۔

کلمہ ''ملت'' قرآن مجید ہیں دین ومذہب کے معنی میں استعمال ہوا ہے سورہ حج کی 78 ویں آیت میں مل ابراھیم کی تصویر کشی اسطرح کی گئی ہے ''اور خدا کی راہ میں ایسے جہاد کرو جیسے جہاد کرنے کا حق ہے اس (خدا) نے تمہیں منتخب کیا اور دین کے معاملہ میں تمہیں کسی مشکل سے دوچار نہیں کیا ، یہ تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے ۔۔۔ لہٰذا نماز قائم کرو اور زکو دیا کرو اور اللہ کے ساتھ متمسک رہو۔۔''

----

(1) میں فرزند فاطمہ الزہرا (ع) ہوں۔

پیام:

1۔ حق تک پہنچنے کے لئے باطل کی شناخت اور اسے ترک کرنا ضروری ہے(تَرَكْتُ مِلَّ قَوْمٍ لاَيُمِنُونَ وَاتَّبَعْتُ مِلَّ...)

2۔ دادا، باپ کے حکم میں ہے لہٰذا دادا کو بھی ''اب '' کہا گیا ہے۔(مِلَّ آبَائِى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ)

3۔انبیاء (ع) کو پاک اور شریف خاندان سے ہونا چاہیئے (آبَائِى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ...)

4۔ تمام انبی (ع) ءِ الٰہی کا ہدف ایک ہے(مِـلَّ آبَائِـى إِبْـرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ...)

5۔ نبوت اور ہدایت تمام بشریت کے لئے توفیق اور فضل الٰہی ہے(عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ)

6۔ منفی راہوں کے ساتھ مثبت راستوں کی نشاندہی کرنا بھی ضروری ہے۔(تَرَکْتُ مِلَّ... وَاتَّبَعْتُ مِلَّ ...)

7۔ توحید کی طرف رجحان اور شرک سے پرہیز کے لئے ''توفیق الٰہی'' ضروری ہے۔(ذٰلِکَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ ...)

8۔ شرک تمام صورتوں میں قابل مذمت ہے (ذات، صفات، افعال اور عبادات) (مِنْ شَیْءٍ)

9۔ ''کثرت افراد'' شناخت کے لئے صحیح معیار نہیں ہے(أَکْثَر النَّاسِ لاَیَشْکُرُونَ)

10۔ انبیاء (ع) کی راہ سے روگردانی بہت بڑی کفران نعمت ہے۔(لاَیَشْکُرُونَ)

11۔ شرک کرنا، خداتعالیٰ کی ناشکری ہے(لاَیَشْکُرُونَ)

آیت 39:

(39) يَاصَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ.

''اے میرے قید خانہ کے دونوں رفیقو! (ذرا غور تو کرو کہ) بھلا جدا جدا معبود اچھے ہیں یا خدائے یکتا زبردست''۔

انسانوں کی تین قسمیں ہیں:

1۔ ''قالب پذیر'' یعنی جن کی اپنی کوئی شکل نہ ہو جیسے پانی اور ہوا، جس قالب میں ڈالیں وہی شکل اختیار کرلیں گے۔

2۔ نفوذ ناپذیر اور مقاومت کرنے والے جیسے لوہا جو بیرونی طاقت کے مقابلے میں سختی سے مقابلہ کرتا ہے۔

3۔ لیکن تیسری قسم ان افراد کی ہے جو دوسروں پر اثرانداز ہوتے ہیں جیسے ''امام اور رہبر'' جو دوسروں کو خدائی رنگ میں

رنگ دیتے ہےں حضرت یوسف علیہ السلام انسانوں کی اس تیسری قسم سے تعلق رکھتے ہیں جس کا ایک نمونہ یہ ہے کہ قید خانہ میں مشرک کو موحد بنارہے ہیں۔

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر سوالات اور تقابلی جائزہ لینے کی روش سے استفادہ کیا گیا ہے خداوندعالم کے سلسلے میں اس کے بعض نمونے قابل توجہ ہیں۔

(هل من شركائكم من يبدأالخلق ثم يعيده)[1]کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو خلقت کی ابتدا بھی کرتا ہو اور پھر اسے دوبارہ بھی پیدا کرے؟(هل من شركائكم من يهدى الى الحق)[2]کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو حق کی طرف ہدایت کرے؟(أ غير الله ابغى رباً وهو رب كل شى)[3]

آیا خدائے یکتا کے علاوہ دوسرے خدا کو قبول کرلوں حالانکہ وہی تمام چیزوں کا پروردگار رہے؟ (ءَ اللہ خیر اما یشرکون)[4] اللہ بہتر ہے یا وہ جس کو (خداکا) شریک بنارہے ہیں؟

----

(1) سورہ یونس آیت 34.

(2) سورہ یونس آیت 35.

(3) سورہ انعام آیت 164.

(4) سورہ نمل آیت 59.

پیام:

1۔لوگوں کو پیار محبت سے دعوت دیں(یَاصَاحِبَیِ)

2۔حساس زمان و مکان سے تبلیغ کے لئے استفادہ کرنا چاہیئے۔

(یَاصَاحِبَیِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ .)

(قید خانہ میں جیسے ہی حضرت یوسف (ع) نے مشاہدہ کیا کہ یہ لوگ تعبیر خواب کے محتاج ہیں فوراًاس موقع کو غنیمت سمجھ کر اس سے تبلیغ کے لئے فائدہ اٹھایا)

3۔سوال و جواب اور تقابلی جائزہ ،ارشاد و ہدایت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔(أَأَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ...)

آیت 40:

(40) مَـا تَعْبُـدُونَ مِـنْ دُونِـهِ إِلاَّ أَسْمَـاءً سَمَّيْتُمُوهَـا أَنْـتُمْ وَآبَكُمْ مَا أَنزَلَ اللهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ إِنْ الْحُكْمُ إِلاَّ لِلَّهِ أَمَرَ أَلاَّ تَعْبُـدُوا إِلاَّ إِيَّاهُ ذَلِـکَ الـدِّينُ الْقَـيِّمُ وَلَكِـنَّ أَكْثَـرَ النَّـاسِ لاَيَعْلَمُونَ.

''(افسوس) تم لوگ تو خدا کو چھوڑ کر بس ان چند ناموں ہی کی پرستش کرتے ہو جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گڑھ لیا ہے، خدا نے تو ان کے لئے کوئی دلیل نہیں نازل کی، حکومت تو بس خدا ہی کے واسطے (خاص) ہے اس نے (تو) حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہی مستحکم دین ہے مگر (افسوس) بہتیرے لوگ نہیں جانتے''۔

پیام:

1۔خدائے یکتا کے علاوہ دوسرے خدں کی کوئی حقیقت نہیں ہے بلکہ وہ صرف تمہارے اور تمہارے بزرگوں کی خیال پروری ہے ۔(مَا تَعْبُدُونَ إِلاَّ أَسْمَاءً سَمَّیْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَكُمْ)

2۔ بہت ساری طاقتیں، کمیٹیاں ، انجمنیں، ادارے ، سیمنار، قراردادیں، ملاقاتیں ، حمایتیں، اطاعتیں اور دوسرے عناوین و القاب ''بے مسمّٰی'' اسم اور ہمارے جدید دور کے بت ہیں جن کو ہم نے خود بنایا ہے اور خدا کے بجائے ان کے گرویدہ ہوگئے ہیں۔ (مَا تَعْبُدُونَ...إِلاَّ أَسْمَاءً سَمَّیْتُمُوهَا)

3۔ انسان کے عقائد عقلی اور شرعی دلائل پر استوار ہونے چاہییں۔(مِنْ سُلْطَانٍ)

4۔ خدا کے علاوہ کسی دوسرے کے حکم پر فروتنی کا مظاہرہ نہ کیجئے کیونکہ حکم صادر کرنے کا حق فقط خدا کو ہے۔(إِنْ الْحُكْـمُ إِلاَّ لِلَّهِ)

5۔ خدا کے قانون کے علاوہ ہر قانون متزلزل ہے۔(ذَلِـــــكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ)

6۔ جہالت و نادانی شرک کا باعث بنتی ہے۔(لاَيَعْلَمُونَ)

7۔ اکثر و بیشتر لوگ جاہل ہیں۔(أَكْثَرَ النَّاسِ لاَيَعْلَمُونَ)(یا تو جاہل بسیط ہیں یعنی اپنی نادانی سے واقف ہےں یا جہل مرکب ہیں یعنی اپنے گمان میں عالم ہے حالانکہ حقیقت میں جاہل ہےں)

آیت 41:

(41) يَاصَاحِبَيِ السِّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا وَأَمَّا الْآخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَأْسِهِ قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيَانِ .

''اے میرے قید خانہ کے دونوں رفیقو! (اچھا اب تعبیر خواب سنو) تم میں سے ایک (جس نے انگور دیکھے ہیں، رہا ہو کر) اپنے مالک کو شراب پلائے گا اور دوسرا (جس نے روٹیاں سر پر دیکھی ہیں) سولی پر چڑھایا جائے گا اور پرندے اس کا سر (نوچ نوچ کر) کھائیں گے جس امر کو تم دونوں دریافت کرتے ہو (وہ یہ ہے اور) اس کا فیصلہ ہو چکا ہے''۔

نکات:

کلمہ " ربّ" حاکم، مالک اورارباب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ بطور مثال ''رب الدار'' یعنی مکان کا مالک۔ پس اس جملہ "فَيَسْــقِي رَبَّــهُ خمــراً" کا معنی ''اپنے حاکم کو شراب پلائے گا'' ہوگا۔

پیام:

1۔ لوگوں کا احترام کرنا چاہیئے اگرچہ وہ آپ کے ہم فکر نہ ہوں۔ (يَا صَاحِبَى)

2۔ نوبت اور باری کی رعایت کرنی چاہیئے (أَمَّــــــــــــا أَحَدُكُمَا...) (پہلے وہ جس نے پہلے خواب کا تذکرہ کیا تھا)

3۔ بعض خوابوں کی تعبیر بہت اہم ہو سکتی ہے اگرچہ اس کا دیکھنے والا مشرک ہی کیوں نہ ہو۔ (فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرً)

4۔ حضرت یوسف (ع) کا خواب کی تعبیر بیان کرنا قیاس یا پیش بینی نہیں ہے بلکہ خدا کی طرف سے قطعی خبر ہے۔ (قُضِیَ الْأَمْرُ)

آیت 42:

(42) وَقَالَ لِلَّذِی ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِنْهُمَا اذْکُرْنِی عِنْدَ رَبِّکَ فَأَنسَاهُ الشَّیْطَانُ ذِکْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِینَ .

''اور ان دونوں میں سے جس کی نسبت یوسف نے سمجھا تھا کہ وہ رہا ہو جائے گا اس سے کہا: اپنے مالک (عزیز مصر) کے پاس میرا تذکرہ کرنا مگر شیطان نے اسے اپنے آقا سے (یوسف کا) ذکر کرنا بھلا دیا یوں یوسف قید خانہ میں کئی برس رہے''۔

نکات:

"ظَـــنّ" علم و اعتقاد کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے چونکہ حضرت یوسف (ع) نے گذشتہ آیت میں یقین و صراحت کے ساتھ ایک قیدی کی آزادی اور دوسرے کو سزائے موت کی خبر

دی ہے لہٰذا یہاں پر '' ظـــــن '' کے معنی گمان اور شک و تردید کے نہیں ہیں۔

کلمہ '' بِضْــــــعَ '' دس سے کم عدد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور اکثر مفسرین نے حضرت یوسف (ع) کی قید کی مدت سات سال ذکر کی ہے (و اللہ اعلم)

بعض تفسیروں میں اس جملہ '' فَأَنسَـاهُ الشَّـيْطَانُ '' کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے: ''شیطان نے پروردگار کی یاد کو جناب یوسف (ع) کے ذہن سے بھلا دیا اور آپ (ع) نے خدا سے مدد طلب کرنے کے بجائے بادشاہ کے ساقی سے مدد چاہی'' یہ حضرت یوسف (ع) کا ترک اولی تھا لہٰذا چند سال مزید آپ (ع) زندان میں رہے مگر صاحب تفسیر المیزان علامہ طباطبائی (رح) تحریر فرماتے ہیں کہ ایسی روایات قرآن مجید کے خلاف ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید نے حضرت یوسف (ع) کو مخلصین میں شمار کیا ہے اور

مخلصین تک شیطان کی رسائی نہیں ہے اس کے علاوہ 45ویں آیت میں آیا ہے کہ '' ۘقَالَ الَّذِی نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّ ''ان دو قیدیوں میں سے جس (قیدی) نے رہائی پائی تھی اسے بڑی مدت کے بعد وہ بات یاد آ گئی۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ فراموشی، ساقی سے مربوط ہے حضرت یوسف (ع) سے نہیں۔

پیام:

1۔ انبیاء (ع) بھی معمولی راستوں سے اپنی مشکلات حل کرنے کے لئے اقدامات کرتے ہیں اور یہ توحید و توکل الٰہی کے منافی بھی نہیں ہے۔(اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ)

2۔ ہر تقاضا رشوت نہیں ہے(اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ)جناب حضرت یوسف (ع) نے ہدایت اور تعبیر خواب کے لئے کوئی اجرت اور رشوت کی درخواست نہیں کی بلکہ فرمایا کہ میری مظلومیت کی خبر بادشاہ تک پہنچادو۔

3۔عام طور پر لوگ کسی مرتبے ، مقام اور آسائش کے بعد پرانے دوستوں کو بھول جاتے ہیں۔(فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ)

4۔ حضرت یوسف (ع) کا قید خانہ سے نکلنا اور تہمت سے بری ہونا، شیطان کے اہداف کے خلاف تھا لہٰذا اس نے جناب یوسف

(ع) کی یاد کو ساقی کے ذہن سے محو کرنے کی سازش کی(فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ)

آیت 43:

(43) وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ يَاأَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِنْ كُنتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ

''اور (ایک دن) بادشاہ نے (بھی خواب دیکھا اور) کہا کہ میں نے دیکھا ہے کہ سات موٹی تازی گائیں ہیں انکو ساتھ دبلی پتلی گائیں کھائے جاتی ہیں اور سات تازی سبز بالیاں اور (سات) سوکھی خشک بالیاں خواب میں دیکھی ہیں اے (میرے دربار کے) سردارو! اگر تمہیں خواب کی تعبیر آتی ہے تو میرے (اس) خواب کے بارے میں نظریہ پیش کرو''۔

نکات:

ابھی تک اس سورہ میں تین خواب ذکر ہوئے ہیں[1] خود حضرت یوسف (ع) کا خواب[2] قید خانہ کے رفیقوں کا خواب[3] بادشاہ مصر کا خواب۔

پہلا خواب آپ (ع) کے لئے پریشانی کا سبب بنا لیکن دوسروں کے خوابوں کی تعبیر کا بتانا آپ (ع) کے لئے عزت و شرف کا باعث بنا۔ توریت میں آیا ہے کہ ایک بار بادشاہ نے دیکھا کہ لاغر اور کمزور گائیں موٹی تازی گائیوں کو کھائے جارہی ہیں اور دوسری مرتبہ دیکھا کہ سبز بالیاں خشک بالیوں کے ساتھ ہیں[1]

----

(1) تفسیر المیزان.

آیا عزیز مصر وہی بادشاہ مصر ہے یا دو الگ الگ شخصیات ہیں ؟ اس سلسلے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے چونکہ اس بحث کا کوئی عملی فائدہ نہیں ہے لہٰذا ہم اس بحث سے چشم پوشی کرتے ہیں

۔

کتاب ''روضہ کافی'' میں ہے کہ خواب کی تین قسمیں ہیں :

1۔خدا کی طرف سے خوشخبری۔

2۔شیطان کی طرف سے وحشت زدہ کرنا۔

3۔بے سروپا اور پریشان کرنے والے خواب۔

پیام:

1۔ ایک ظالم بادشاہ کے خواب دیکھنے سے خدا ایک قوم کو خشک سالی سے نجات دیتا ہے (بشرطیکہ تعبیر بتانے والا یوسف (ع) ہو)۔(قَالَ الْمَلِکُ إِنِّی أَرَی)

2۔ بادشاہ مصر نے اپنے تعجب آور خواب کو کئی بار دیکھا تھا۔ (أَرَی)

3۔ رسا اور صاحب قدرت افراد تھوڑی سی ناگواری سے خطرے کا احساس کرنے لگتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سے قدرت چھین لی جائے۔(قَالَ الْمَلِکُ إِنِّی أَرَی ...أَفْتُونِی فِی رُیَایَ)

4۔ تعبیر خواب کے لئے اہل کی طرف رجوع کرنا چاہیئے ہر کس و ناکس کی تعبیر پر اعتماد اور توجہ نہیں کرنی چاہیئے۔(أَفْتُونِی ... إِنْ كُنتُمْ لِلرُّیَا تَعْبُرُونَ)

آیت 44:

(44) قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ

''ان لوگوں نے عرض کی یہ تو پریشان خوابوں میں سے ہے اور ہم لوگ اس قسم کے پریشان خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے''۔

نکات:

لفظ "اضغاث" ضَغث کی جمع ہے جو'' مخلوط کرنے'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور "ضغث" لکڑی کے گٹھڑ کو بھی کہتے ہیں،

لفظ "احلام" حلم کی جمع ہے جو پریشان خواب کے معنی میں ہے

"اضغاث احلام" یعنی وہ پراکندہ اور پریشان خواب جس کا سرا تعبیر کرنے والوں کی سمجھ سے باہر ہو۔

پیام:

1۔اپنی جہالت اور نادانی کی توجیہ نہیں کرنی چاہیئے چونکہ اہل دربار خواب کی صحیح تعبیر سے ناواقف تھے لہٰذا بادشاہ کے خواب کو پریشان خواب کہہ دیا۔(قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ)

2۔ ہر کام کو اس کے اہل کے سپرد کرنا چاہیئے (ماہر محقق اور دانشمند، تعبیر خواب کرتا ہے لیکن جو اس سے نابلد ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ خواب پریشان ہے جو قابل تعبیر نہیں ہے)۔(مَــــا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ)

آیت 45:

(45) وَقَالَ الَّذِى نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ .

''اور جس (قیدی) نے ان دونوں (قیدیوں) میں سے رہائی پائی تھی اور اسے ایک زمانہ کے بعد (یوسف کا قصہ) یاد آیا، بول اٹھا کہ مجھے (قید خانہ تک) جانے دیجئے تو میں اس کی تعبیر بتائے دیتا ہوں''۔

نکات:

"ام" اگرچہ انسانوں کے اجتماع کو کہا جاتا ہے لیکن یہاں پر ایام (مدتوں) کے اجتماع کے معنی میں استعمال ہوا ہے[1]۔

پیام:

1۔ اچھائیاں اپنے اثرات کو دیر یا سویر آشکار کر ہی دیتی ہیں۔ (ادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّ)

2۔ صاحبان علم کو معاشرے کے سامنے پہچنوائیں تاکہ لوگ ان سے بہرہ مند ہو سکیں۔ (فَأَرْسِلُونِ)

3۔ بعض محققین بڑی سخت زندگی گزار رہے ہیں ان سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ (فارْسِلُونِ)

----

(1) تفسیر کبیر و تفسیر المیزان.

آیت 46:

(46) يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِى سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ لَعَلِّى أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ

''(غرض وہ گیا اور یوسف سے کہنے لگا) اے یوسف اے بڑے سچے (یوسف) ذرا ہمیں یہ تو بتائیے کہ سات موٹی تازی گائیوں کو سات دبلی پتلی گائیں کھائے جاتی ہیں اور سات تازی ہری بالیاں اور پھر سات سوکھی مرجھائی ہوئی (اس کی تعبیر کیا ہے) تاکہ میں لوگوں کے پاس پلٹ کر جس (اور بیان کروں) تاکہ ان کو بھی (تمہاری قدر اور اس خواب کی حقیقت) معلوم ہو جائے''۔

نکات:

'صــــدّیق' اس شخص کو کہتے ہیں جس کی رفتار و گفتار اور عقیدہ سب ایک دوسرے کی تصدیق کریں ۔چونکہ حضرت یوسف (ع) کے دوست ان کی رفتار و گفتار کا قید خانہ میں مشاہدہ کرچکے تھے اور دوسری طرف اس شخص نے اپنے اور اپنے ساتھی کے خواب کی تعبیر کو واقع کے مطابق پایا تھا لہٰذا حضرت یوسف (ع) کو صدیق کہہ کرپکارا۔

خداوندعالم نے حضرت ابراہیم (ع) کو صدیق کہا تو انہیں اپنا خلیل بنالیا(واتخذ الله ابراهیم خلیلا)[1]

حضرت مریم (ع) کو صدیقہ کہا تو انہیں برگزیدہ بنا دیا (ان اﷲاصطفاکِ)[2] اور حضرت یوسف (ع) کو صدیق کہا تو ان کو ہر طرح کی قدرت عطا کردی (وکذلک مکّنا لیوسف)[3]

حضرت ادریس (ع) کو صدیق کہا تو بلند مقام تک پہنچا دیا (و رفعنـــاه مکاناًعلیـــاً)[4] اور جو لوگ اس درجہ کے لائق نہیں ہیں انہیں صدیقین اور سچوں کے ساتھ رہنا چاہیئے (فاولئـــک مـــع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین...)۔[5]

" صـــــــــدّیق" ان القاب میں سے ایک لقب ہے جسے پیغمبر اسلام (ص) نے حضرت علی علیہ السلام کو عطا فرمایا ہے۔[6]

ایک احتمال یہ ہے کہ جملہ "لعلھـم یعلمـون" کا مقصود لوگوں کو حضرت یوسف کی
ارزش و اہمیت سے واقف کرنا ہو یعنی میں لوگوں کی طرف پلٹوں تاکہ ان کو معلوم ہوسکے کہ آپ کیسے گوہر نایاب ہیں۔

----

(1) سورہ نساء آیت 125.

(2) سورہ آل عمران آیت 42.

(3) سورہ یوسف آیت 56.

(4) سورہ مریم آیت 57.

(5) سورہ نساء آیت 69.

(6) تفیسر اطبیب البیان و تفسیر الکبیر سورہ مومن آیت 28 کے ذیل میں.

پیام:

1۔ درخواست سے پہلے مناسب ہے کہ شخص کے ذاتی کمالات کو بیان کریں۔(أَيُّهَا الصِّدِّيقُ)

2۔ اپنے سوالات اور مشکلات کو ایسے لوگوں کے سامنے پیش کریں جن کا سابقہ اچھا ہو اور وہ سچے ہوں۔(أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَ)

آیت 47:

(47)قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوْهُ فِى سُنْبُلِهِ إِلاَّ قَلِيلًا مِمَّا تَأْكُلُونَ .

''(یوسف نے جواب میں) کہا (اسکی تعبیر یہ ہے) کہ تم لوگ متواتر سات برس کاشتکاری کرتے رہو گے تو جو (فصل) تم کاٹو اس

(کے دانہ) کو بالیوں ہی میں رہنے دو (چھڑانا نہیں) مگر وہ تھوڑا (بہت) جو تم خود کھ''۔

نکات:

حضرت یوسف (ع) نے اپنے قیدی ساتھی سے بغیر کسی گلے شکوے کے کہ مجھے کیوں بھول گئے؟ بادشاہ کے خواب کی تعبیر فوراً بتادی کیونکہ علم و حکمت کا چھپانا بالخصوص ایسے مواقع پر کہ جب لوگ (بلکہ معاشرہ) اس کے بہت زیادہ محتاج ہوں ایک پاک اور نیک خصلت انسان کی شان کے خلاف ہے۔

حضرت یوسف (ع) تعبیر خواب کے بجائے اس خشک سالی سے مقابلہ کرنے کے طریقے تفصیلی طور پر بیان فرما رہے ہیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ میں خوابوں کی تعبیر کے علاوہ منصوبہ بندی اور انتظامی صلاحیتوں سے بھی مالا مال ہوں۔

زراعت کا علم، ذخیرہ سازی کی سیاست اور خرچ کرنے میں صرفہ جوئی سے کام لینے کے حکمت آمیز پیغامات اس آیت میں واضح طور پر بیان کیے گئے ہیں۔

پیام:

1۔خدائی افراد کو لوگوں کی فلاح و بہبود اور آرام و آسائش کے متعلق ہمیشہ غور و فکر کرنا چاہیئے نیز طویل مدت اور کم مدت کے پروگرام بھی پیش کرنے چاہئیں۔(تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ)

2۔اگر گیہوں اپنی بالیوں کے ساتھ ہو تو اسکی زندگی بڑھ جاتی ہے(فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ)

3۔ منظّم پروگرام بنانے کے بعد قدرتی حوادث مثلاًزلزلہ ، سیلاب ،اور خشک سالی کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔(فَـــذَرُوهُ فِـــي سُنْبُلِهِ)

4۔ منصوبہ بندی اور مستقبل کے لئے تدبیر کرنا۔خدا پر توکل اور اس کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے منافی نہیں ہے(فَـذَرُوهُ فِـي سُنْبُلِهِ) (تدبیر کے ساتھ تقدیر کا استقبال کرنا چاہیئے)

5۔ تمام پروگرام عملی صلاحیت کے حامل ہونے چاہئیں(
فَذَرُوهُ فِی سُنْبُلِهِ)

اس زمانے میں چونکہ گندم کو محفوظ کرنے کے لئے مخصوص برج نما گودام یا کوئی جدید ٹیکنالوجی نہیں تھی لہٰذا گندم کو محفوظ رکھنے کا بہترین طریقہ یہی تھا کہ گیہوں کو اس کی بالیوں میں رہنے دیا جائے)

6۔ ہر مصیبت اور سختی، بُری نہیں ہوتی۔ یہی خشک سالی جناب یوسف (ع) کی حاکمیت کا پیش خیمہ بنی۔ اسی طرح یہ قحط صرفہ جوئی اور لوگوں کے درمیان زیادہ کام کرنے کا رجحان پیدا کرنے کا باعث بنا۔(تَزْرَعُونَ... فَذَرُوهُ، إِلاَّ قَلِيلًا...)

7۔آج کی کفایت شعاری، کل کی خود کفائی ہے اور آج کی فضول خرچی کل کے لئے باعث پریشانی ہے۔(قَلِيلًا مِمَّا تَأْكُلُونَ)

8۔ مستقبل کے بارے میں فکر کرنا اور معاشرے کی اقتصادی مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے لئے طویل مدت کے پروگرام بنانا ملکی نظام کے لئے ضروری ہے۔(تَزْرَعُـونَ... فَـذَرُوهُ... إِلاَّ قَلِيلًا)

9۔ بحرانی حالات اور شرائط میں تولید و توزیع پر حکومت کا کنٹرول ضروری ہے۔(تَزْرَعُونَ... فَذَرُوهُ...)

10۔ کافروں کے خواب بھی حقائق کو بیان کر سکتے ہیں اور معاشرے کی حفاظت کے لئے دستورالعمل بھی ہو سکتے ہیں۔

آیت 48:

(48) ثُمَّ يَأْتِى مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلاَّ قَلِيلًا مِمَّا تُحْصِنُونَ .

'' پھر اسکے بعد بڑے سخت سات برس آئیں گے جو کچھ تم لوگوں نے ان سات سالوں کے واسطے پہلے سے جمع کر رکھا ہوگا لوگ سب کھا جائیں گے مگر قدر قلیل جو تم (بیج کے طور پر) بچا رکھو گے ''۔

آیت 49:

(49)ثُمَّ يَأْتِى مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ .

'' (بس) پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا جس میں لوگوں کے لئے بارش ہوگی (اور خشک سالی کی مشکل حل ہو جائے گی) اور

لوگ اس سال (پھلوں اور روغن دار دانوں کی فراوانی کی وجہ سے ان کا رس) نچوڑیں گے''۔

نکات:

" یُغَـــاثُ النَّـــاسُ " یاتو "غـــوث" سے ہے یعنی لوگوں کو خداوند عالم کی طرف سے مدد حاصل ہوگی اور 14 سالہ مشکلات حل ہوجائیں گی یا "غیـــــث" سے ہے یعنی بارش ہوگی اور تلخ حوادث ختم ہوجائیں گے۔ (1)

----

(1) المیزان فی تفسیر القرآن.

حضرت یوسف (ع) نے سات موٹی گائیں اور سات دبلی پتلی گائیوں اور سبز و خشک بالیوں کی تعبیر یہ فرمائی کہ 14 چودہ سال نعمت اور خشک سالی کے ہوں گے لیکن پندرہواں سال جو باران رحمت اور نعمت کی فراوانی کا ہوگا اس کا تذکرہ بادشاہ کے خواب میں نہیں ہے در حقیقت یہ غیب کی خبر تھی جسے حضرت یوسف (ع) نے بیان فرمایا تاکہ آپ (ع) اعلان نبوت کے لئے راہ ہموار کر سکیں(ثُمَّ یَأْتِی مِن بَعد ذَلِکَ عام...)

سماج میں ایک کارآمد اور کامیاب منتظم اور انتظامیہ کے لئے درج ذیل شرائط کا حامل ہونا ضروری ہے۔

1۔ لوگوں کا اعتماد۔ (انا لنراک من المحسنین)

2۔ صداقت۔ (یوسف ایھا الصدیق)

3۔ علم و دانائی۔ (علّمنی ربّی)

4۔ صحیح پیشین گوئی۔ (فَذَرُوهُ فِی سُنْبُلِهِ)

5۔ قوم کی اطاعت۔ کیونکہ لوگوں نے حضرت یوسف کی بیان کردہ تجاویز پر عمل کیا۔

پیام:

1۔ مستقبل کی مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے بچت کرنا اور منظّم طریقے سے خرچ کرنا نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے۔(سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ...)

2۔ خرچ کرتے وقت تھوڑا سا بیج اور سرمایہ ذخیرہ کرلیں(إِلاَّ قَلِيلًا مِمَّا تُحْصِنُونَ)[1]

3۔ خواب نہ صرف آئندہ کے حوادث کو بتا سکتے ہیں بلکہ انسان کے لئے مشکلات سے رہائی اور پھر خوشحالی کا ذریعہ اور اشارہ بھی ہوسکتے ہیں(يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ)

----

(1)مِمَّا تُحْصِنُون یعنی محفوظ جگہ پر ذخیرہ کرلیں.

آیت 50:

(50) وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِی بِهِ فَلَمَّا جَاءَ هُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَ اللاَّتِی قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ إِنَّ رَبِّی بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ .

''(یہ تعبیر سنتے ہی) بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف کو میرے حضور میں لے اور پھر جب (شاہی) چوبدار (یہ حکم لے کر) یوسف کے پاس آیا تو یوسف نے کہا تم اپنے بادشاہ کے پاس لوٹ ج اور اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا مسئلہ کیا تھا جنہوں نے (مجھے دیکھ کر) اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے ؟ آیا میں ان کا طالب تھا یا وہ (میری) ،اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ میرا پروردگار ہی ان کے مکروفریب سے خوب واقف ہے''۔

نکات:

جناب یوسف (ع) نے بادشاہ کے خواب کی تعبیر اور سنجیدہ و منظّم پروگرام، بغیر کسی شرط و قید کے بیان کرکے ثابت کردیا کہ وہ کوئی معمولی قیدی نہیں ہیں بلکہ ایک غیر معمولی اور دانا انسان ہیں۔

جب بادشاہ کا فرستادہ حضرت یوسف (ع) کی خدمت میں آیا تو آپ (ع) نے آزادی کی خبر کا خیر مقدم نہیں کیا بلکہ سابقہ فائل پر دوبارہ تحقیق کی درخواست کی، اس لئے کہ آپ (ع) نہیں چاہتے تھے کہ بادشاہ کا عفو آپ (ع) کے شامل حال ہو بلکہ یہ چاہتے تھے کہ آپ (ع) کی بے گناہی اور پاکدامنی ثابت ہو جائے تاکہ بادشاہ کو سمجھا سکیں کہ تمہاری حکومت میں کس قدر فساد اور ناانصافی کارفرما ہے۔

شاید حضرت یوسف (ع) نے عزیز مصر کے احترام میں اس کی بیوی کا نام نہیں لیا بلکہ اس مہمان نوازی والے واقعہ کی طرف اشارہ کیا۔(قطعهن ایدهن)

حدیث میں موجود ہے کہ پیغمبراسلام (ص) نے فرمایا: مجھے حضرت یوسف (ع) کے صبر پر تعجب ہے اس لئے کہ جب عزیز مصر نے خواب کی تعبیر چاہی تو نہیں فرمایا کہ جب تک قید خانہ سے آزاد نہیں ہو جاتا خواب کی تعبیر بیان نہیں کروں گا۔ لیکن جب حضرت یوسف (ع) کو آزاد کرنا چاہا تو آپ (ع) قید خانہ سے اس وقت تک باہر تشریف نہ لائے جب تک تہمت کا بالکل خاتمہ نہ ہو گیا۔[1]

----

(1) تفسیر اطیب البیان.

پیام:

1۔ وہ متفکر ذہن جن کی ملک کو ضرورت ہو اگر وہ کسی جرم کے مرتکب نہیں ہوئے تو حکومت کی مدد سے انہیں آزاد کر دینا چاہیئے۔(قَالَ الْمَلِکُ ائْتُونِی بِہ...)

2۔ ہر طرح کی آزادی قابل اہمیت نہیں ہے بلکہ بے گناہی کا ثابت کرنا آزادی سے اہم ہے۔(ارْجِعْ إِلَی رَبّکَ فَاسْأَلْہُ)

3۔ جو قیدی آزادی کے بجائے فائل کی تحقیق کا مشورہ دیتا ہے وہ یقینا بے گناہ ہے۔(فَاسْأَلْہُ)

4۔ حضرت یوسف (ع) نے پہلے لوگوں کے ذہن کو پاک کیا پھر مسلیت قبول فرمائی(مَا بَالُ النِّسْوَ)

5۔ آبرو اور عزت کا دفاع واجب ہے۔(مَا بَالُ النِّسْوَ)

6۔ حضرت یوسف (ع) کو قید خانہ میں ڈالنے کی سازش میں تمام عورتیں شریک تھیں۔(کَیْدھنّ)

7۔ حضرت یوسف (ع) نے اپنے پیغام میں بادشاہ کو یہ بھی بتا دیا کہ آزادی کے بعد آپ (ع) بادشاہ کو اپنا مالک نہیں سمجھیں گے اور نہ ہی وہ جناب یوسف (ع) کو اپنا غلام سمجھنے کا اختیار رکھتا ہے۔ بلکہ خدا کو اپنا مالک سمجھتے ہیں(إِنَّ رَبِّی بِکَیْدِهِنَّ عَلِیمٌ)

آیت 51:

(51) قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدتُّنَّ يُوسُفَ عَنْ نَفْسِهِ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدتُّهُ عَنْ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ.

''چنانچہ بادشاہ نے ان عورتوں (کو طلب کیا اور) ان سے پوچھا کہ جس وقت تم لوگوں نے یوسف سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی خود ان سے تمنا کی تھی تو تمہیں کیا معاملہ پیش آیا تھا وہ سب کی سب عرض کرنے لگیں پاکیزہ ہے اللہ ہم نے یوسف میں کسی طرح کی کوئی برائی نہیں دیکھی (تب) عزیز (مصر) کی بیوی (زلیخا) بول اٹھی اب تو حق سب پر ظاہر ہو ہی گیا ہے (اصل بات یہ ہے کہ) میں نے خود اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی تمنا کی تھی اور بے شک وہ یقینا سچوں میں سے ہے''۔

نکات:

کسی اہم کام کے سلسلے میں دعوت دینے کو ''خطب'' کہتے ہیں۔ ''خطیب''اس شخص کو کہتے ہیں جولوگوں کو کسی اہم اور بڑے ہدف و مقصد کی دعوت دے "حصص" یعنی حق کا باطل سے جدا ہو کر آشکار ہو جانا۔[1]

اس داستان میں خداوند عالم کی سنتوں میں سے ایک سنت یہ جلوہ نما ہوئی ہے کہ تقوی الٰہی اور پرہیز گاری کی وجہ سے مشکل کام آسان ہو جاتے ہیں[2]

----

(1) تفسیر اطیب البیان.

(2)(من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لایحتسب) اور جو تقوی الٰہی اختیار کرتا ہے اللہ اس کے لئے

مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے وہ سوچ بھی نہ سکتا ہو۔ (سورہ طلاق آیت 2،و 3)

پیام:

1۔ جب کوئی مسئلہ بہت سنگین ہو جائے اور کسی سے بھی حل نہ ہو پارہا ہو تو سربراہ مملکت کو اس میں مداخلت کرنی چاہیئے اور تحقیق کے بعد مشکل کو حل کرنا چاہیئے۔(قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ ...)

2۔ متہم کو عدالت میں حاضر کرنا چاہیئے تاکہ وہ اپنا دفاع کرسکے۔(قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ ...)یہاں تک کہ زلیخا بھی عدالت میں حاضر تھی(قَالَتِ امْرَ الْعَزِيز)

3۔ پریشانی کے ساتھ آسانی اور تلخی کے ساتھ شیرینی ہے کیونکہ جہاں (اراد باھلک سوئً) ہے وہاں اسی زبان پر(مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ) بھی جاری ہے۔

4۔ حق ہمیشہ کے لئے مخفی نہیں رہ سکتا۔(الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ)

5۔ ضمیر کبھی نہ کبھی بیدار ہو کر حقیقت کا اعتراف کرتا ہے۔ (أَنَا رَاوَدتُّهُ)

معاشرے اور ماحول کا دب ضمیر فروشوں کو حق کا اعتراف کرنے پر مجبور کر دیتا ہے (عزیز مصر کی بیوی نے جب دیکھا کہ تمام عورتوں نے یوسف (ع) کی پاک دامنی کا اقرار کر لیا ہے تو اس نے بھی حقیقت کا اعتراف کر لیا)

آیت 52:

(52) ذٰلِکَ لِیَعْلَمَ أَنِّی لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَأَنَّ اللّٰهَ لاَیَهْدِی کَیْدَ الْخَائِنِینَ

''(یوسف نے کہا) یہ قصہ میں نے اس لئے چھیڑا تاکہ (تمہارے) بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں اس کی (امانت میں) خیانت نہیں کی اور خدا خیانت کاروں کے مکر و فریب کو کامیابی سے ہمکنار نہیں کرتا''۔

نکات:

یہ کلام حضرت یوسف علیہ السلام کی گفتگو ہے یا عزیز مصر کی بیوی کے کلام کا حصہ ہے؟اس سلسلے میں مفسرین کے دو نظرئے ہیں بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ حضرت یوسف علیہ

السلام کا کلام ہے [1] جب کہ بعض مفسرین اسے عزیز مصر کی بیوی کا بیان قرار دیتے ہیں [2] لیکن آیت کے مضمون کو مد نظر رکھتے ہوئے پہلا نظریہ صحیح ہے لہٰذا یہ جملہ عزیز مصر

----

(1) تفسیر مجمع البیان، تفسیر المیزان .
(2) تفسیر نمونہ.

کی بیوی کا کلام نہیں ہو سکتا کیونکہ ایک بے گناہ کو سالہا سال قید خانے میں قیدی بنا کر رکھنے سے بڑی خیانت اور کیا ہو سکتی ہے؟

یوسف علیہ السلام اپنے اس جملے سے قید خانہ سے دیر سے آزاد ہونے کی وجہ بیان فرما رہے ہیں: دوبارہ ان کے بارے میں تحقیق کی گئ ہے اور وہ اپنی حقیقی حیثیت و فضیلت پر فائز ہوئے ہیں۔

پیام:

1۔ کریم انسان انتقام لینے کے درپے نہیں ہوتا بلکہ حیثیت اور کشف حقیقت کی تلاش میں رہتا ہے(ذَلِکَ لِيَعْلَمَ)

2۔ حقیقی ایمان کی علامت یہ ہے کہ انسان تنہائی میں خیانت نہ کرے(لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ)

3۔ دوسروں کی ناموس پر بُری نگاہ ڈالنا گویا اس شخص کے ساتھ خیانت کرنا ہے(لَمْ أَخُنْهُ)

4۔ خیانت کار اپنے کام یا برے کام کی توجیہ بیان کرنے کے لئے سازش کرتا ہے(كَيْدَ الْخَائِنِينَ)

5۔ خیانت کار، نہ صرف اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتا بلکہ اس کی عاقبت بھی بخیر نہیں ہوتی، حقیقت میں اگر ہم پاک ہوں (لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ)توخداوند عالم اجازت نہیں دیتا کہ ناپاک افراد ہماری آبرو برباد کرسکیں۔(انَّ اللهَ لاَيَهْدِى كَيْدَ الْخَائِنِينَ)

6۔ حضرت یوسف علیہ السلام اس کوشش میں تھے کہ بادشاہ کو آگاہ کردیں کہ تمام حوادث اور واقعات میں ارادۂ خداوندی اور سنت الٰہی کارفرما ہوتی ہے(انَّ اللهَ لاَيَهْدِى ...)

آیت 53:

(53) وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِی إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَ بِالسُّوءِ إِلاَّ مَا رَحِمَ رَبِّی إِنَّ رَبِّی غَفُورٌ رَّحِیمٌ

''اور میں اپنے نفس کی صفائی پیش نہیں کرتا کیونکہ (انسانی) نفس برائی پر اکساتا ہے مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے بے شک میرا پروردگار بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے''۔

نکات:

قرآن مجید میں نفس کی مختلف حالتیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

1۔ نفس امارہ: یہ نفس انسان کو برائی کی طرف لے جاتا ہے اگر عقل و ایمان کے ذریعہ لگام نہ لگائی جائے تو انسان یک بارگی ذلت وہلاکت میں گر جائے گا۔

2۔ نفس لوّامہ : یہ وہ نفسانی حالت ہے جس کی بنیاد پر برائی کرنے والا انسان خود اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے، توبہ اور عذر خواہی کی طرف قدم بڑھاتا ہے، سورہ قیامت میں اس نفس کا تذکرہ ہے۔

3۔ نفس مطمئنہ: یہ وہ نفسانی حالت ہے کہ جو انبیاء و اولیائے الٰہی اور ان کے حقیقی تربیت یافتہ افراد کو حاصل ہوتی ہے جس کی بنیاد پر وہ ہر وسوسے اور حادثے سے کامیاب و کامران پلٹتے ہیں ایسے افراد فقط خدا سے لو لگائے رہتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام اس امتحان میں اپنی سربلندی اور عدم خیانت کو خداوند عالم کے لطف کرم کا نتیجہ قرار دے رہے ہیں اور

ایک انسان ہونے کی بنیاد پر جس میں انسانی خصلت موجود ہے خود کو اس سے الگ نہیں سمجھ رہے ہیں۔

متعدد روایات میں نفس کے خطرات اور خود کو بری الذمہ قرار دینے نیز نفس سے راضی ہونے کا تذکرہ موجود ہے اپنے نفس سے راضی ہونے کو روایات میں عقل کا دیوانہ پن اور شیطان کا سب سے بڑا پھندہ قرار دیا گیا ہے [1]

----

(1) غررالحکم .

پیام:

1۔ کبھی بھی اپنے آپ کو پاکباز اور خواہشات نفسانی سے محفوظ قرار نہیں دینا چاہیئے۔(وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِی)

2۔ شرط کمال یہ ہے کہ اگرچہ ساری دنیا اسے کامل سمجھ رہی ہو لیکن وہ شخص کبھی خود کو کامل نہ سمجھے۔ حضرت یوسف (ع) کی داستان میں برادران یوسف ، عزیز مصر کی بیوی ، گواہ ، بادشاہ ، شیطان ، قیدی، سب کے سب آپکی پاکدامنی کی گواہی دے رہے ہیں لیکن آپ (ع) خود فرمارہے تھے کہ۔(مَا أُبَرِّئُ نَفْسِی)

3۔ ہوا و ہوس اور نفس کا خطرہ بہت ہی خطرناک ہے اسے کھیل نہیں سمجھنا چاہیئے۔(إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَ بِالسُّوئِ)[1]

4۔انبیاء (ع)، معصوم ہونے کے باوجود انسانی فطری غرائز کے حامل ہیں۔(إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَ بِالسُّوئِ)

5۔ نفس اپنی خواہشات کی بار بار تکرار کرتا ہے تاکہ تمہیں مصیبت میں گرفتار کردے۔(لَأَمَّارَ)

6۔ اگرخداوندعالم کالطف و کرم نہ ہو تو فطرت انسانی منفی امور کی طرف زیادہ میلان رکھتی ہے۔[2](لَأَمَّارَ بِالسُّوئِ)

7۔ فقط رحمت خداوندی ہی سرمایہ نجات ہے اگرانسان کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ قعر ضلالت و گمراہی میں گرپڑے گا۔(إِلاَّ مَا رَحِم)

8۔جناب یوسف (ع)خداوندعالم کی خاص تربیت کے زیر سایہ تھے لہٰذا کلمہ (رَبّی) کی تکرار ہوئی ہے۔

9۔ مربی کو رحمت اور مہربانی سے کام لیناچاہیئے۔(إِنَّ رَبِّـــی غَفُورٌ رَحِیمٌ)

10۔ عفو و درگزر رحمت الٰہی تک پہنچنے کا مقدمہ ہے پہلے (غَفُور)فرمایاہے بعد میں (رَحِیم)کاذکرہے۔

11۔ تمام خطرات کے باوجود رحمت الٰہی سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔(غَفُورٌ رَحِيمٌ)

----

(1) آیہ شریفہ میں چار طریقوں سے تاکید کی گئ ہے۔إِنّ ۔لام تاکید۔ صیغہ مبالغہ۔ جملہ اسمیہ.

(2) امام سجاد علیہ السلام نے مناجات شاکین میں نفس کے لئے 15 پندرہ خطرے ذکر کئے ہیں جن کی طرف توجہ رکھنا ضروری ہے.

آیت 54:

(54) وَقَالَ الْمَلِکُ ائْتُونِی بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِی فَلَمَّا کَلَّمَهُ قَالَ إِنَّکَ الْیَوْمَ لَدَیْنَامَکِینٌ أَمِینٌ

''اور بادشاہ نے کہا یوسف کو میرے پاس لے، میں ان کو خاص طور سے (بطور مشاور) اپنے لئے رکھوں گا اس نے یوسف سے باتیں کیں تو (یوسف کی اعلی قابلیت ثابت ہوئی اور) اس نے کہا بے شک آج سے آپ ہمارے بااختیار امانتدار ہیں''۔

نکات:

کتاب ''لسان العرب'' میں ہے: جب بھی انسان کسی کو اپنا محرمِ راز اور اسے اپنے امور میں دخیل قرار دیتا ہے تو ایسی صورت میں (استخلصه) کہا جاتا ہے۔

جناب یوسف (ع) نے قید خانہ سے نکلتے وقت زندان کے دروازے پر چند جملے لکھے تھے جن میں آپ (ع) نے قید خانہ کی تصویر کشی کی ہے۔ھذا قبور الاحیاء ،بیت الاحزان، تجرب الاصدقاء و شماته الاعداء۔[1] زندان: زندہ لوگوں کا قبرستان، غم والم

----

(1) شماتت، کسی کی تباہی و بربادی پر خوش ہونے کو کہتے ہیں.

کا گھر، دوستوں کو پرکھنے کی جگہ اور دشمنوں کے لئے خندہ زنی کا مقام ہے[1]

بادشاہ کو جب حضرت یوسف (ع) کی امانت و صداقت پر یقین ہو جاتا ہے اور آپ (ع) میں شمہ برابر بھی خیانت نہیں پاتا تو آپ (ع) کو اپنے لئے چن لیتا ہے (غور کیجئے کہ) اگر خدا اپنے بندوں میں خیانت نہ پائے گا تو وہ کیا کرے گا!؟

یقینا ایسے افراد کو خدا اپنے لئے چن لے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں انبیاء (ع) کے لئے یہ جملے مذکور ہیں۔

(و انا اخترتک فاستمع لما یوحی)[2] ترجمہ: اور میں نے آپ (حضرت موسیٰ) کو منتخب کرلیا ہے لہٰذا جو وحی کی جارہی ہے اسے سنیں (واصطنعتک لنفسی)(3) ترجمہ: اور میں نے آپ (حضرت موسیٰ) کو اپنے لئے اختیار کیا ہے۔

بادشاہ نے کلمہ ئ "لدینا" سے یہ اعلان کیا کہ یوسف (ع) ہماری حکومت میں قدر و منزلت کے حامل ہیں، نہ کہ فقط ہمارے دل میں۔ لہٰذا تمام عہدہ دار افراد پر ان کی اطاعت ضروری ہے۔

چونکہ حضرت یوسف کے لئے حکومت تقدیر الٰہی میں تھی، لہٰذا خداوند عالم نے آپ (ع) کو چند امتحانات میں مبتلا کیا تاکہ آپ (ع) کو تجربہ حاصل ہوجائے . بھائیوں کے مکر و فریب میں گرفتار کیا تاکہ صبر کریں۔ آپ (ع) کو کنویں اور قید خانے میں ڈلوایا تاکہ کسی (بے گناہ) کو

----

(1) تفسیر مجمع البیان.

(2) سورہ طہ آیت 13.

(3) سورہ طہ آیت 41.

کنویں اور قید خانے میں نہ ڈالیں۔

غلامی کی طرف کھینچا تاکہ غلاموں پر رحم کریں. زلیخا کے دام میں گرفتار کیا تاکہ جنسی مسائل کی اہمیت کو سمجھیں. بادشاہ کی مصاحبت میں رکھا تاکہ آپ (ع) کی تدبیر جلوہ نما ہو۔

پیام:

1۔ اگر خدا چاہے تو کل کے قیدی کو آج کا بادشاہ بنا سکتا ہے۔ (قَالَ الْمَلِکُ ائْتُونِی بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِی)

2۔ سربراہ مملکت کے خاص مشیروں کو باتقوی، باتدبیر، قوم کی فلاح و بہبودی کے لئے صحیح پروگرام بنانے کی صلاحیت رکھنے والے ،اور امانت دار ہونا چاہیئے۔(أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِی... مَکِینٌ أَمِینٌ) حضرت یوسف (ع) میں یہ تمام صفات موجود تھیں۔

3۔جب تک انسان خاموش رہے اس وقت تک اس کے عیوب و کمالات مخفی رہتے ہیں۔(فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ)

4۔انتخاب کرتے وقت حضوری گفتگو مفید ہے(فَلَمَّا كَلَّمَهُ)

5۔اگر کسی پر اطمینان حاصل ہو جائے تو اسے اختیارات دے دینا چاہیئے۔(لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ)

6۔کافر و مشرک بھی معنوی کمالات سے لذت محسوس کرتے ہیں ''کمال'' کو پسند کرنا ہر انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ (أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِى)

7 بااختیار اور امانت دار ہونا دونوں بیک وقت ضروری ہیں(مَكِــينٌ أَمِــينٌ) کیونکہ اگر کوئی امین ہو لیکن بااختیار نہ ہو تو بہت سے امور کو انجام دینے کی قدرت نہیں رکھتا اور اگر بااختیار ہو اور امین نہ ہو تو بیت المال کو بے دریغ خرچ کر دے گا[1]

----

(1)اسی بنا پر حضرت علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ کے ایک خط میں مصر کے گورنر مالک اشتر کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا : لوگوں کو پہچاننے اور کام کرنے والوں کا انتخاب کرنے کے بعد انہیں کافی مقدار میں حقوق دو۔(اسبغ علیهم الارزاق)، نہج البلاغہ مکتوب نمبر53.

آیت 55:

(55) قَالَ اجْعَلْنِی عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّی حَفِیظٌ عَلِیمٌ .

''یوسف نے کہا (جب آپ نے میری قدر دانی کی ہے تو) مجھے ملکی خزانوں پر مقرر کیجئے کیونکہ میں (اسکا) امانت دار خزانچی (اور اس کے حساب کتاب سے بھی) واقف ہوں''۔

نکات:

سوال: حضرت یوسف علیہ السلام نے عہدہ کیوں مانگا؟ بزبان دیگر جناب یوسف علیہ السلام نے ریاست طلبی کیوں کی؟

جواب: چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر کے خواب سے لوگوں کے لئے خطرے کو محسوس کرلیا اور خود کو اس اقتصادی بحران سے نجات دلانے کے لائق سمجھ رہے

تھے لہٰذا اس نقصان سے بچانے کے لئے انہوں نے ایسے عہدے
کو قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔

سوال: حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی تعریف و توصیف کیوں کی ؟ جبکہ قرآن کا فرمان ہے کہ اپنی تعریف و تمجید نہ کرو۔[1]

جواب: حضرت یوسف علیہ السلام اپنی ستائش کرکے اپنی قابلیت اور استعداد کی یاد دہانی کروا رہے تھے کہ میں عہدہ کو قبول کرنے کی قابلیت و صلاحیت رکھتا ہوں جس کی بنیاد پر قحط اور خشک سالی سے نجات دلائی جاسکتی ہے یہ ستائش تفاخر اور غلط فائدہ اٹھانے کے لئے نہ تھی۔

سوال: حضرت یوسف علیہ السلام نے کافر حکومت کا کیوں ہاتھ بٹایا؟ جبکہ خداوند عالم نے اس سے روکا ہے[2]

جواب: حضرت یوسف علیہ السلام نے ظالم کی حمایت کرنے کے لئے اس عہدہ کو قبول نہیں فرمایا تھا بلکہ مخلوق خدا کو خشک سالی کی

مصیبت سے نجات دلانے کے لئے ایسا قدم اٹھایا تھا حضرت یوسف (ع) نے ذرہ.برابر بھی چاپلوسی نہیں کی۔

تفسیر''فی ظلال القرآن'' کے بیان کے مطابق سیاستمدار افراد ایسے خطرات کے وقت قوم کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرلیتے ہیں لیکن حضرت یوسف (ع) پر ایسے وقت میں مخلوق کی حفاظت لازم ہے۔

----

(1)فلا تزکوا انفسکم سورہ نجم آیت 32.

(2)لا ترکنوا الی الذین ظلموا... سورہ ہود آیت 113.

علاوہ از این اگر ظالم حکومت کو سرنگوں کرنا اور اسکے نظام میں تغیر و تبدل لانا ممکن نہ ہو تو جہاں تک ممکن ہو وہاں تک ظلم و انحرافات کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔اگرچہ کچھ امور مملکت کو قبول کرنا پڑے۔

تفسیر نمونہ میں ملتا ہے کہ '' قانونِ اہم و مہم کی رعایت'' عقل اور شرع میں ایک بنیادی چیز ہے، مشرک حکومت کی حمایت کرنا جائز نہیں ہے لیکن ایک قوم کو قحط سے نجات دلانا ایک اہم کام ہے ۔ اس دلیل کی بنیاد پر '' تفسیر تبیان میں'' ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے سیاسی عہدہ قبول نہیں کیا تاکہ ظالم کی مدد نہ ہو سکے اور نہ ہی کوئی دفاعی و نظامی ذمہ داری قبول فرمائی تاکہ کسی کا ناحق خون نہ بہنے پائے فقط اور فقط اقتصادی ذمہ داری کو قبول فرمایا۔ وہ بھی اس لئے کہ خلق خدا قحط سے محفوظ رہ سکے۔

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا جب ضرورت نے اس بات کا تقاضا کیا کہ یوسف (ع) مصر کے خزانوں کے سرپرست ہوں تو انہوں نے خود اس بات کا مشورہ دیا[1] علی بن یقطین امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی بتائی ہوئی نصیحتوں کے بعد عباسی حکومت کے وزیر بنے تھے، اسی قسم کے افراد مظلوموں کے لئے پناہ گاہ ہو سکتے ہیں ۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا : کفار عمل السلطان قضاء حوائج الاخوان۔یعنی حکومتی نظام میں کام کرنے کا کفارہ برادر مومن کی مدد کرنا ہے[2]

----

(1) تفسیر نورالثقلین.

(2)وسائل الشیعہ ج12 ص139.

حضرت امام رضا علیہ السلام سے لوگوں نے پوچھا : آپ نے مامون کی ولی عہدی کیوں قبول کی ؟ آپ (ع) نے جواب دیا : یوسف (ع) باوجودیکہ پیامبر (ع) تھے لیکن مشرک کی حکومت میں چلے گئے میں تو وصی پیامبر (ص) ہوں۔ میں ایسے شخص کی حکومت میں داخل ہوا ہوں جو مسلمان ہونے کا اظہار کرتا ہے۔ علاوہ ازیں مجھے عہدہ قبول کرنے پر مجبور کیا گیا ہے جبکہ یوسف (ع) نے حالات کی اہمیت کے پیش نظر بذات خود عہدہ کو قبول کیا تھا۔[1]

حضرت یوسف (ع) نے مقام و منزلت حاصل کرتے ہی فوراً اپنے والدین سے ملاقات کی خواہش نہیں کی بلکہ خزانے کی مسلیت کا تقاضا کیا کیونکہ والدین کے دیدار میں عاطفی پہلو تھے جب کہ

لوگوں کو خشک سالی سے نجات دلانا ان کی اجتماعی ومعاشرتی رسالت اور اجتماعی ذمہ داریوں کا تقاضا تھا۔

امام صادق علیہ السلام نے ایسے افراد کو خطاب کرتے ہوئے کہ جو زہد اختیار کرنے اور دنیا سے کنارہ کشی کا اظہار کر رہے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دے رہے تھے کہ اپنی زندگی کس مپرسی میں گزر بسر کرو، فرمایا: مجھے ذرا بتا کہ تم لوگ یوسف (ع) پیامبر کے بارے میں کیا نظریہ رکھتے ہو جنہوں نے بادشاہ مصر سے خود فرمائش کی کہ (اجعلنی علی خزائن الارض) اسکے بعد حضرت یوسف (ع) کے امور یہاں تک پہنچ گئے کہ پوری مملکت اور اس کے اطراف یمن کی سرحدوں تک اپنے ماتحت لے لئے تھے اسکے باوجود مجھے کوئی شخص نہیں ملتا کہ کسی نے اس کام کو حضرت یوسف (ع) کے لئے معیوب شمار کیا ہو[2]

----

(1) وسائل الشیعہ ج 12 ص 136.
(2) تفسیر نور الثقلین.

ایک روایت میں امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے : حضرت یوسف (ع) نے پہلے سات سال گیہوں کو جمع اور ذخیرہ کیا ، دوسرے سات سال میں کہ جب خشک سالی شروع ہو گئی تو آہستہ آہستہ بہت دقت کے ساتھ اسے لوگوں کے حوالے کیا تاکہ وہ اپنے روز مرہ کے مصارف میں اسے خرچ کر سکیں اور بڑی ہی امانت داری اور دقت نظر کے ساتھ مملکت مصر کو بدبختی سے نجات دلائی۔

حضرت یوسف (ع) نے سات سالہ قحط کے زمانے میں پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ (ع) بھوکے افراد کو فراموش کر دیں۔[1]

تفسیر مجمع البیان اور تفسیر المیزان میں حضرت یوسف (ع) کی انداز حکمرانی کو اس طرح ذکر کیا گیا ہے :

جب خشک سالی شروع ہوئی تو حضرت یوسف (ع) نے پہلے سال گیہوں سونے چاندی کے بدلے ، دوسرے سال جواہر اور زیورات کے بدلے ، تیسرے سال چارپایوں کے بدلے ، چوتھے سال غلام کے بدلے ، پانچویں سال گھروں کے عوض میں ۔ چھٹے سال گندم کھیتیوں کے عوض میں اور ساتویں سال خود لوگوں کو غلام بنانے کے عوض میں گندم فروخت کی ۔ جب ساتواں سال ختم ہوگیا تو آپ (ع) نے بادشاہ مصر سے کہا :

تمام افراد اور ان کا تمام سرمایہ میرے پاس ہے لیکن خدا شاہد ہے اور تو بھی گواہ رہ کہ تمام لوگوں کو آزاد کرکے ان کے تمام اموال ان کو لوٹا دوں گا اور تمہارا محل ، تخت ،

----

(1) تفسیر مجمع البیان .

اور مہر وانگوٹھی بھی تمہیں لوٹادوں گا حکومت میرے لئے خلائق کو نجات دینے کے علاوہ کچھ نہیں تھی۔

تم ان کے ساتھ عدالت کے ساتھ پیش بادشاہ ان باتوں کو سننے کے بعد ایسا مسحور ہوااور خود کو یوسف (ع) کی معنوی عظمتوں کے مقابلے میں اس طرح حقیر سمجھنے لگا کہ یک بارگی بول اٹھا (اشهدان لا اله الا الله و انک رسوله) میں بھی ایمان لے آیا لیکن تم کو حاکم رہنا پڑے گا۔ (فإنّکَ لدینا مکین امین)

افراد کی تشخیص اور ان کے انتخاب میں قرآنی معیار کی طرف توجہ کرنی چاہیئے "حفـــیظ و علـــیم" کے علاوہ قرآن مجید میں دوسرے معیار بھی ذکر کئے گئے ہیں ان میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

ایمان: افمن کان مومنا کمن کان فاسقا لا یستوون۔[1]

کیا جو مومن ہو وہ فاسق کی طرح ہو سکتا ہے ؟ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

سبقت:والسابقون السابقون اولئک المقربون[2]

اور سبقت لے جانے والے تو آگے بڑھنے والے ہی ہیں یہی مقرب لوگ ہیں۔

ہجرت: والذین آمنوا و لم یھاجروا ما لکم من ولایتھم من شی[3]

----

(1) سورہ سجدہ آیت 18.

(2) سورہ واقعہ آیت 10۔11.

(3) سورہ انفال آیت 72.

اور جو لوگ ایمان تو لائے مگر انہوں نے ہجرت نہیں کی انکی ولایت سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔

علمی و جسمی قوت: وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم[1]

اور اسے (طالوت کو) اللہ نے علم اور جسمانی طاقت کی فراوانی سے نوازا ہے۔

خاندانی فضیلت: ماکان ابوک امرأَ سوءٍ[2] تیرا باپ برا آدمی نہ تھا۔

جہاد و مبارزت: فضل اللہ المجاھدین علی القاعدین اجراً عظیما[3]

اللہ تعالی نے بیٹھنے والوں کی نسبت جہاد کرنے والوں کو اجر عظیم کی فضیلت بخشی ہے۔

پیام:

1۔جب ضرروت پڑے تو حساس عہدوں کی فرمائش کرنی چاہیئے (اجْعَلْنِی)

2۔ نبوت؛ حکومت اور سیاست سے جدا نہیں ہے جس طرح دیانت سیاست سے جدا نہیں ہے(اجْعَلْنِی عَلَی خَزَائِنِ الْأَرْضِ)

----

(1)سورہ بقرہ آیت 247.

(2)سورہ مریم آیت 28.

(3)سورہ نساء آیت 95.

3۔اسلامی حاکم کے لئے کسی خاص مملکت کا باشندہ ہونا ضروری نہیں ہے حضرت یوسف (ع) مصری نہیں تھے لیکن حکومت مصر میں عہدہ دار ہوئے (بعبارت دیگر قوم پرستی (Nationalism) ممنوع ہے)

4۔بوقت ضرورت اپنی لیاقت و شائستگی کا بیان توکل، زہد، اور اخلاص سے منافات نہیں رکھتا۔(إِنِّی حَفِیظٌ عَلِیمٌ)

5۔دو صفات جو بادشاہ نے حضرت یوسف (ع) کے لئے بیان کئے''مکین، امین''اور دو صفات جو حضرت یوسف (ع) نے خود اپنے لئے بیان فرمائے"حفیظ ، علیم"ہیں،ان بیانات سے بہترین اور شائستہ عہدے داروں کے اوصاف سمجھ میں آتے ہیں کہ ان کے اوصاف قدرت، امانت، حفاظت اور اپنے متعلقہ کام میں مہارت عہدے داروں کے لئے ضروری ہے۔

6۔ منصوبہ بندی اور مصارف و اخراجات کی نگرانی کرتے وقت آئندہ آنی والی نسلوں کا حصہ بھی ملحوظ خاطر ہونا چاہیئے (حَفِـــيظٌ عَلِيمٌ)

آیت 56:

(56) وَكَـذَلِكَ مَكَّنَّـا لِيُوسُـفَ فِـى الْأَرْضِ يَتَبَـوَّأُ مِنْهَـا حَيْـثُ يَشَـاءُ نُصِـيبُ بِرَحْمَتِنَـا مَـنْ نَشَـاءُ وَلاَنُضِـيعُ أَجْـرَ الْمُحْسِنِينَ۔

''اور ہم نے یوسف کو اس ملک میں اقتدار دیا کہ اس میں جہاں چاہیں اپنا مسکن بنالیں ہم جس پر چاہتے ہیں اپنا فضل کرتے ہیں اور ہم نیکوکاروں کے اجر کو اکارت نہیں کرتے''۔

آیت 57:

(57) وَلَأَجْرُ الْآخِرَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ

''اور جو لوگ ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے ان کے لئے آخرت کا اجر اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے''۔

نکات:

ان دو آیتوں میں حضرت یوسف (ع) کی توصیف محسن، مومن اور متقی کہہ کر کی گئی ہے[1] اس پورے سورہ میں خداوند عالم کے ارادے کا مخلوق کے ارادہ سے تقابل کیا جاسکتا ہے (یعنی اس سورہ میں مختلف لوگوں کے مختلف ارادے تھے لیکن خدا کا ارادہ سب پر مسلط ہو کر رہا)

.برادران یوسف (ع) نے ارادہ کیا تھا کہ حضرت یوسف (ع) کو کنویں میں ڈال کر انکو غلام بنا کر ذلیل و رسوا کریں لیکن عزیز مصر نے سفارش کرتے ہوئے کہا تھا"اکرمی مثواہ" یعنی انکی عزت کرو۔

----

(1)خداوند عالم نے آیہ شریفہ میں یوسف علیہ السلام کو محسنین کے مصادیق میں سے ایک مصداق قرار دیا ہے قرآن مجید میں محسنین کے لئے دس سے زیادہ الطاف خاصہ خداوندی مذکور ہیں۔

عزیز مصر کی بیوی نے ارادہ کیا تھا کہ آپ (ع) کے دامن کردار کو آلودہ کردے لیکن خداوند عالم نے اس سے بچا لیا۔ زلیخا نے چاہا تھا کہ حضرت یوسف (ع) کو زندان میں بھیج کر ان کی مقاومت کو درہم برہم کردے اور ان کی تحقیر کرے '' لیسجنن ولیکونا من الصاغرین'' لیکن ان سب کے مقابلے میں خداوند عالم نے ارادہ کیا تھا کہ ان کو صاحب عزت قرار دے اور ان کو مصر کا حاکم قرار دے۔ (مَكَّنَّا لِيُوسُفَ...)

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا یوسف (ع) اس آزاد مرد انسان کا نام ہے جس پر بھائیوں کی حسادت ، کنویں میں ڈالا جانا ، شہوت ، تہمت ، ریاست و قدرت کوئی چیز بھی ان کی مقاومت پر اثرانداز نہ ہو سکی[1]۔

قرآن مجید میں لفظ'' خیر '' مختلف امور کے سلسلے میں استعمال کیا گیا ہے۔

مومن کے لئے آخرت بہتر ہے(والآخر خیر و ابقی)[2]

روزہ داروں کے لئے روزہ بہتر ہے(ان تصوموا خیرلکم)[3]

حاجی کے لئے قربانی بہتر ہے(لکم فیھا خیر)[4]

انسانوں کے لئے تقوی بہتر ہے(ولباس التقوی ذلک خیر)[5]

----

(1) تفسیر نورالثقلین.

(2) سورہ اعلیٰ آیت 17.

(3) سورہ بقرہ آیت 184.

(4) سورہ حج آیت 36.

(5) سورہ اعراف آیت 26.

سپاہی کے لئے جہاد بہتر ہے(عسى ان تكرهوا شيائً و هو خيرلكم)[1]

جزائے اخروی جزائے دنیوی سے بہتر ہے کیونکہ آخرت کی جزا:

(الف) نامحدود ہے(لهم ما يشاون)[2]

(ب) ختم ہونے والی نہیں ہے(خالدين)[3]

(ج) کسی خاص مکان میں محدود نہ ہوگی(نتبوا من الجنه حيث نشاءُ)[4]

(د) ہمارے لئے اس کا حساب کرنا ممکن نہیں(اجرَهم بغير حساب)[5]

(ھ) وہاں امراض ، آفات اور پریشانیوں کا گزر نہیں(لا يصدعون)[6]

(و)اضطراب و بے چینی کا گزر نہیں(لاخوف علیهم ولا هم یحزنون)[7]

(ز)جزا پانے والے اولیا، خداوند عالم کے پڑوسی ہیں(وهم جیرانی)

----

(1)سورہ بقرہ آیت 216.

(2)سورہ زمر آیت 34.

(3)سورہ فرقان آیت 16.

(4)سورہ زمر آیت 74.

(5)سورہ زمر آیت 10.

(6)سورہ واقعہ آیت 19.

(7)سورہ بقرہ آیت 112.

پیام:

1۔خدا کی سنت ہے کہ پاکدامن اور با تقویٰ افراد کو عزت بخشے گا۔(کذلک...)

2۔اگرچہ بظاہر بادشاہ مصر نے حضرت یوسف (ع) سے کہا تھا کہ(انک الیوم لدینا مکین) لیکن در حقیقت خداوند عالم نے حضرت یوسف (ع) کو قدرت دی تھی(مکن)

3۔حضرت یوسف (ع) کے اختیارات کا دائرہ وسیع تھا(حیث یشاءُ)

4۔مملکت کے بحرانی حالات میں حکومتیں اس بات کا اختیار رکھتی ہیں کہ لوگوں کے اپنے اموال و املاک میں تصرف کی آزادی کو محدود کرتے ہوئے اسے اپنے اختیار میں لے کر عمومی مصالح میں خرچ کریں(يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ)

5۔ قدرت اگر اہل افراد کے ہاتھوں میں ہو تو رحمت ہے وگرنہ نقصان دہ ہے (نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَ)

6۔ اگر انسان تقوی الٰہی اختیار کرے تو خدا اپنی رحمتیں اس پر نازل کرتا ہے (نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا... لِلَّذِينَ... كَانُوا يَتَّقُونَ)

7۔ الٰہی نظریۂ کائنات میں کوئی کام بھی بغیر اجر کے نہیں رہتا ہے (لاَنُضِيعُ)

8۔ لوگوں کے حقوق کا ضائع کرنا یا تو جہالت کی بنیاد پر ہوتا ہے یا بخل کی وجہ سے یا پھر نادانی کی وجہ سے یا... جن میں سے کوئی بھی خدا میں موجود نہیں ہے۔ (لاَنُضِيعُ)

9۔ مشیت الٰہی، با نظم اور قانون و ضابطہ سے ہے (نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا... وَلاَ نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ)

10۔حالانکہ تمام چیزیں مشیت الٰہی کے تحت ہوتی ہےں لیکن چونکہ خداوند عالم حکیم ہے لہٰذا کسی کو بھی بغیر لیاقت کے قدرت وصلاحیت نہیں دیتا(أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ)

11۔نیک سیرت اور اچھے اعمال بجالانے والے اشخاص جہاں دنیاوی زندگی میں نعمتوں سے بہرہ مند ہوتے ہیں وہاں آخرت میں اس سے کہیں بہتر اجر و ثواب ان کے شامل حال ہوتا ہے۔(وَلاَ نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ وَلَأَجْرُ الْآخِرَ خَيْرٌ)

12۔راہ خدا پر گامزن مردانِ خدا کے لئے مادی وسائل اور ظاہری حکومت لذت آور نہیں ہے بلکہ ان کے لئے جو چیز مطلوب و محبوب ہے وہ آخرت ہے(وَلَأَجْرُ الْآخِرَ خَيْرٌ)

13۔ایمان کے ساتھ ساتھ باتقوی ہونا بھی ضروری ہے وگرنہ گنہگار مومن کی عاقبت مبہم اور غیر یقینی ہے(آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ)

14۔وہ تقوی قابل قدر ہے جس میں پائیداری و ہمیشگی پائی جائے،(كَانُوا يَتَّقُونَ)

15۔ایمان و تقوی کالازم ملزوم ہونا آخرت کے اجر و ثواب سے بہرہ مند

ہونے کی شرط ہے(وَلَأَجْرُ الْآخِرَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ)

16۔اگر نیک سیرت افراد کو اس دنیا میں اجر و مقام و منزلت نہ مل سکے تو اسے مایوس اور مضمحل نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ آخرت میں اس کی جزا مل جائے گی۔(لاَنُضِيع... وَلَأَجْرُ الْآخِرَ خَيْرٌ)

آیت 58:

(58) وَجَاءَ إِخْوَ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ

''اور (چونکہ کنعان میں بھی قحط تھا، اس وجہ سے) یوسف (ع) کے (سوتیلے) بھائی (غلہ خریدنے کے لئے مصر میں) آئے اور یوسف کے پاس گئے تو یوسف نے ان کو فوراً پہچان لیا اور وہ یوسف کو پہچان نہیں رہے تھے''۔

نکات:

حضرت یوسف (ع) کی پیشین گوئی کے عین مطابق لوگوں کو سات سال تک بے حساب نعمت اور بارش میسر رہی۔ لیکن جب دوسرے سات سال آئے اور لوگ قحط وخشک سالی سے دوچار

ہوئے تو اس خشک سالی کا دائرہ مصر سے فلسطین و کنعان تک آگے بڑھ گیا۔

حضرت یعقوب (ع) نے اپنے فرزندوں سے کہا کہ گیہوں مہیا کرنے کے لئے مصر ج۔ وہ لوگ مصر میں وارد ہوئے اور اپنی درخواست پیش کی۔ حضرت یوسف (ع) نے ان تقاضا مندوں کے درمیان اپنے بھائیوں کو دیکھ لیا لیکن وہ لوگ حضرت یوسف (ع) کو پہچان نہ سکے اور حق بھی یہی تھا کہ نہ پہچانیں کیونکہ حضرت یوسف (ع) کو کنویں میں ڈالنے سے لے کر مصر کی حکومت تک پہنچنے میں تقریباً 20 بیس سے تیس 30 سال کا عرصہ گزر چکا تھا (1)۔

----

(1) یوسف (ع) کو جب کنویں سے نکالا گیا تو آپ (ع) نوجوان تھے (یابشری ھذا غلام) چند سال عزیز مصر کے خدمت گزار

رہے، چند سال قید خانہ میں زندگی بسر کی، زندان سے آزادی کے بعد بھی سات سال کا دور (نعمات کی فراوانی اور کثیر پانی کا زمانہ) گزر چکا تھا۔ اب جب قحط کا زمانہ آیا تو اس وقت برادران یوسف مصر آئے۔

پیام:

1۔خشک سالی کے زمانہ میں معین اور محدود مقدار میں غذا تقسیم کرنی چاہیئے اور ہر شخص کوا پنا حصہ لینے کے لئے خود آنا چاہیئے تا کہ دوسرے اس کے نام سے سوء استفادہ نہ کر سکیں(اخو) حالانکہ ممکن تھا کہ ایک بھائی کو سب کا نمائندہ بنا کر مصر روانہ کر دیا جاتا لیکن سب بھائی اکٹھے مصر آئے۔

2۔خشک سالی کے زمانہ میں اگر دوسرے شہروں کے افراد امداد طلب کریں تو ان کی مدد کرنی چاہیئے (وَجَاءَ إِخْوَ يُوسُفَ)

3۔حضرت یوسف (ع) سے لوگ بہت آسانی سے ملاقات کرلیا کرتے تھے یہاں تک کہ غیر مصری افراد بھی (وَجَاءَ إِخْوَ يُوسُفَ ...فَـدَخَلُو) حکمرانوں کو ایسا پروگرام بنانا چاہیئے کہ لوگ بآسانی ان سے ملاقات کر سکیں)

آیت 59:

(59) وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَكُمْ مِنْ أَبِيكُمْ أَلاَ تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ

''اور جب یوسف ان کے لئے سامان تیار کرچکے تو کہنے لگے :(دوبارہ تو) باپ کی طرف سے اپنے ایک سوتیلے بھائی کو میرے پاس لانا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں پورا ناپتا ہوں اور بہترین مہمان نواز ہوں؟''

نکات:

حضرت یوسف (ع) نے فرمایا(ائْتُونِی بِأَخٍ لَکُمْ) یعنی آئندہ اپنے اس بھائی کو اپنے ہمراہ لانا جو تمہارا پدری بھائی ہے آپ (ع) نے یہ نہیں فرمایا: میرے بھائی کو لیتے آنا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف (ع) نے دانستہ تجاہل سے گفتگو کا سلسلہ جاری کیا تھا۔

ان لوگوں نے بھی (جیسا کہ تفاسیر میں آیا ہے) بتانا شروع کردیا کہ ہم حضرت یعقوب (ع) کے فرزند اور جناب ابراہیم کے پوتے ہیں، ہمارے والد گرامی ضعیف ہوچکے ہیں جو اپنے اس فرزند کے غم و اندوہ میں جسے بھیڑئے نے پھاڑ ڈالا تھا، وہ سالہاسال سے گریہ کررہے ہیں۔ انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کرلی ہے اور نابینا ہوچکے ہیں ہم لوگوں نے اپنے ایک بھائی کو انہی

کی خدمت کے لئے چھوڑ دیا ہے ممکن ہو تو اس بھائی اور والد کا حصہ ہمیں عنایت فرمادیں تاکہ ہم خوشحال ہو کر واپس لوٹیں (یہ سن کر) حضرت یوسف (ع) نے حکم دیا کہ: دس اونٹوں پر لادے جانے والے بار میں دو حصوں (حضرت یعقوب (ع) اور ان کے بیٹے کے لئے) کا اضافہ کردیا جائے۔ حضرت یوسف (ع) نے اپنے بھائیوں کو اپنی طرف کھینچنے اور جذب کرنے کے لئے فرمایا (انَا خَیْرُ الْمُنـزِلِینَ) (یعنی) میں بہترین میزبان ہوں اس کا اثر یہ ہوا کہ اس جملے کو سنتے ہی وہ لوگ حضرت یوسف کے زیادہ قریب ہوگئے لیکن (مقام افسوس ہے) کہ خداوند عالم اپنے بندوں کو اپنی طرف کھینچنے اور جذب کرنے کے لئے مختلف تعبیرات استعمال فرماتا ہے لیکن اس کے باوجود بہت سے افراد اس کی طرف مائل نہیں ہوتے!!۔[1]

----

(1) خیر الرازقین ، وہ بہترین روزی دینے والا ہے۔ سورہ مومنون آیت 72۔ خیر الغافرین ، وہ بہترین بخشنے والا ہے سورہ اعراف آیت 155۔ خیر الفاتحین ، وہ بہترین گشایش کرنے والا ہے۔ سورہ اعراف آیت 89۔ خیرالماکرین ، وہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے سورہ انفال آیت 30۔ خیر الحاکمین ، وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے، سورہ یونس آیت 109

پیام:

1۔حضرت یوسف (ع) اس غلے کی ذاتی طور پر نگرانی فرمارہے تھے جو مصر میں خشک سالی کے ایام کے لئے ذخیرہ کیا گیا تھا(جَهَّزَهُمْ)

2۔راز داری و سچائی دونوں ضروری ہیں حضرت یوسف (ع) نے فرمایا(أَخٍ لَكُمْ)''تمہارا بھائی''''میرا بھائی نہیں فرمایا'' تاکہ سچائی اور راز داری دونوں کا پاس رکھا جاسکے۔

3۔بحران اور خشک سالی کے زمانہ میں بھی بے عدالتی اور کم ناپ تول ممنوع ہے(أُوفِي الْكَيْلَ)

4۔معاملے کے دوران ''جنس'' کی مقدار معین ہونی چاہیئے(الْكَيْلَ)

5۔ جو لوگ، ادارے یا ممالک کسی کی اقتصادی مدد کرتے ہیں وہ اس کی صحیح سمت رہنمائی یا دیگر مصلحتوں کے پیش نظر بعض شرطوں کو پیش کر سکتے ہیں (ائْتُونِی بِأَخٍ...)

6۔ کسی ادارے یا ملک میں کام کرنے والے افراد اگر کوئی برا کام کریں یا عدل و انصاف سے کام لیں تو اس کا سارا کریڈٹ سربراہ کو جاتا ہے۔(أَنِّی أُوفِی (ع)(ع)الْکَیْلَ)

7۔ مہمان نوازی انبیاء (ع) کے اخلاق میں سے ہے (خَـــــــیْرُ الْمُنزِلِینَ)

8۔ وہ مسافر یا کاروان جو آپ کے علاقہ میں وارد ہو، اس کا احترام کرنا چاہیئے اگرچہ قحط کا زمانہ ہی کیوں نہ ہو۔(خَیْرُ الْمُنزِلِینَ)

آیت 60:

(60) فَإِنْ لَمْ تَأْتُونِی بِهِ فَلاَ کَیْلَ لَکُمْ عِندِی وَلاَ تَقْرَبُونِ.

''پس اگر تم اس کو میرے پاس نہ ل گے تو تمہارے لئے نہ میرے پاس کچھ (غلہ وغیرہ) ہوگا اور نہ ہی تم میرے نزدیک آسکوگے''۔

پیام:

1۔انتظامی امور میں محبت و دھمکی دونوں ضروری ہیں حضرت یوسف (ع) نے پہلے مژدہ ئ محبت دیا(أَنَا خَــیْرُ الْمُنــزِلِینَ) پھر تہدیداورالٹی میٹم(ultimatum)دیا(فَإِنْ لَمْ تَأْتُونِی)

2۔ قانون کو جاری کرتے وقت ، بھائی، خاندان اور دیگر افراد کے درمیان فرق نہیں کرنا چاہیئے (فَلاَ کَیْـــلَ لَکُـــمْ) (ہر شخص کا ایک خاص حصہ تھا اور اسے اپنا حصہ خود آ کر لینا تھا)

3۔ دھمکی و وعید میں ضروری نہیں ہے کہ سربراہ و مدیر صدر در صد اس دھمکی کے اجرا کا ارادہ بھی رکھتا ہو (فَلاَ کَیْـــــــلَ لَکُـمْ) (کیونکہ حضرت یوسف (ع) ایسے نہ تھے کہ وہ قحط کے زمانہ میں اپنے بھائیوں کو مرتا ہوا دیکھیں)

4۔ رہبری کی ایک بڑی شرط یہ ہے کہ وہ اپنے منصوبے اور پروگرام (program) کا اجرا کرنے میں مصمم ارادے کا حامل ہو (فَلاَ کَیْلَ لَکُمْ وَلاَ تَقْرَبُون)

آیت 61:

(61)قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ

''وہ لوگ کہنے لگے ہم اس کے والد سے اس کے بارے میں جاتے ہی درخواست کریں گے اور ہم ضرور اس کام کو کریں گے''۔

نکات:

مراود: یعنی پے در پے اور مسلسل التماس کے ساتھ یا دھوکہ کے ساتھ رجوع کرنے کو کہتے ہیں۔

ان بھائیوں کی گفتگو میں اب بھی حسد کی بو محسوس کی جا سکتی ہے ذرا غور کیجئے ''ابانا'' ہمارے باپ کی بجائے ''اباہ'' اس کے باپ کہا ہے جب کہ سورہ کے آغاز میں ان کی گفتگو یہ ہے کہ

(لیوسف و اخوہ احب الی ابینا منا) یعنی حضرت یعقوب (ع) ہمارے باپ ہیں لیکن یوسف (ع) اور ان کے بھائی کو ہم سے زیادہ چاہتے ہیں۔

آیت 62:

(62) وَقَالَ لِفِتْيَانِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انقَلَبُوا إِلَى أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ

''اور یوسف نے اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ ان کی (جمع) پونجی جو غلے کی قیمت تھی ان کے سامان میں (چپکے سے) رکھ دو تاکہ جب یہ لوگ اپنے اہل (و عیال) کے پاس لوٹ کر جائیں تو اپنی پونجی کو پہچان لیں (اور اس طمع میں) شاید پھر لوٹ کر آئیں''۔

نکات:

حضرت یوسف (ع) جیسی شخصیت جن کے بارے میں گزشتہ آیات نے صادق ، محسن ، مخلص جیسے گراں بہا الفاظ کے ذریعہ قصیدے پڑھے ،ان سے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ بیت المال کو

اپنے باپ اور بھائیوں میں تقسیم کردیں، ممکن ہے کہ آپ (ع) نے غلے کی قیمت اپنی ذاتی ملکیت سے ادا کی ہو۔

پیسہ لوٹا دیا تاکہ فقر و ناداری دوسرے سفر میں حائل نہ ہونے پائے (لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ)

علاوہ ازیں پیسہ کا لوٹا دینا اس بات کی دلیل ہے کہ ہم قلبی لگ کی بنیاد پر دوبارہ بلا رہے ہیں اور بھائی کو بلانے میں ہمارا کوئی بُرا ارادہ بھی نہیں ہے، نیز حضرت یوسف، اجناس کے درمیان ان کی رقم کو مخفیانہ طور پر رکھوا کر نہ صرف ان پر کوئی احسان جتلانا نہیں چاہتے تھے بلکہ چوروں اور رہزنوں سے اس رقم کو محفوظ بھی کررہے تھے۔

حضرت یوسف (ع) کہ جو کل تک غلام تھے آج آپ کے اردگرد غلام ہیں (لِفِتْيَانِـهِ) لیکن بھائیوں سے ملاقات کے وقت نہ ہی ان سے انتقام لیا، نہ ہی کوئی گلہ شکوہ کیا اور نہ ہی دل میں کینہ رکھا،

بلکہ ان کا سرمایہ لوٹا کر انہیں متوجہ کیا کہ میں تم لوگوں کو چاہتا ہوں۔

پیام:

1۔لائق و فائق رہبر کے منصوبے ، نئے اور جدید ہونے چاہیئےں(اجْعَلُو)

2۔انتقام و کینہ کچھ بھی نہیں بلکہ آئندہ کے رابطے کو یقینی بنانے کے لئے ہدیہ پیش کیا جارہاہے۔(اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ... لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ)

3۔لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے روپے پیسے کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔(اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ... لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ)

4۔محتاجی و نیاز مندی کے زمانے میں بوڑھے باپ اور بھائیوں سے پیسہ لینا کرامت نفس کے منافی ہے(اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ)

5۔صلہ رحم یعنی مدد کرنا، نہ کہ کاروبار کرنا(اجْعَلُــــــــــــوا بِضَاعَتَهُم)

6۔برائیوں کابدلہ اچھائیوں سے دینا چاہیئے(اجْعَلُــــــــــــوا بِضَاعَتَهُم)

7۔پروگرام (pragrams)اور منصوبوں کے سو فیصد قابل عمل ہونے کا یقین ضروری نہیں ہے(لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ)

آیت 63:

(63) فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَى أَبِيهِمْ قَالُوا يَاأَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا أَخَانَا نَكْتَلْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

''غرض جب یہ لوگ اپنے والد کے پاس پلٹ کر آئے تو سب نے مل کر عرض کی اے بابا! ہمیں (آئندہ) غلہ ملنے کی ممانعت کردی گئی ہے لہٰذا آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی (بنیامین) کو بھیج دیجئے تاکہ ہم (پھر) غلہ حاصل کریں اور بے شک ہم اس کی پوری حفاظت کریں گے''۔

پیام:

1۔حضرت یعقوب (ع) کو اپنے خاندان اور بیٹوں پر مکمل کنٹرول اور تسلط حاصل تھا(يَاأَبَانَا مُنِعَ)

2۔ باپ کو حق ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو حکم دے یا کسی کام سے روک دے (فَأَرْسِلْ)

3۔ بنیامین اپنے باپ کی اجازت کے بغیر سفر نہیں کرتے تھے (فَأَرْسِلْ مَعَنَ)

4۔ کسی چیز کو لینے اور کسی کے اعتماد کو حاصل کرنے کے لئے عواطف واحساسات سے استفادہ کیا جاتا ہے (أَخَانَا)

5۔ مجرم چونکہ اپنے ضمیر کی عدالت میں پریشان ہوتا ہے لہٰذا اپنی گفتگو میں پے درپے یقین دلانے کی کوشش کرتا ہے (إِنَّا لَــــهُ لَحَـافِظُونَ) "لفظ إِنَّا "اور حرف لام اور اس جملے کا جملہ اسمیہ ہونا یہ سب تاکید پر دلالت کرتے ہیں یعنی آپ (ع) کے بیٹے آپ (ع) کو بھرپور یقین دلوانا چاہتے تھے۔

آیت 64:

(64) قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلاَّ كَمَا أَمِنتُكُمْ عَلَى أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ فَااللهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ

''(حضرت) یعقوب (ع) بولے: کیا میں اس کے بارے میں تم پر اسی طرح اعتماد کروں جس طرح اس سے پہلے اس کے بھائی (یوسف) کے بارے میں کیا تھا؟ اللہ بہترین محافظ ہے اور وہ بہترین رحم کرنے والا ہے''۔

نکات:

سوال: حضرت یعقوب (ع) کے بیٹوں کی بری سیرت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ سوال اٹھتا ہے کہ دوبارہ حضرت یعقوب (ع) نے پھر کیوں اپنے دوسرے فرزند (بنیامین) کو ان کے حوالے کر دیا؟

اس سوال کے جواب میں فخر رازی نے متعدد احتمالات پیش کئے ہیں جس کی بنیاد پر حضرت یعقوب (ع) کے اس عمل کی توجیہ کی جاسکتی ہے:

1۔حضرت یوسف (ع) کے بھائی گزشتہ عمل کی بنیاد پر اپنا مقصد (باپ کی نگاہ میں محبوبیت) حاصل نہ کرسکے تھے۔

2۔وہ بنیامین سے حضرت یوسف (ع) کی نسبت کم حسد کرتے تھے۔

3۔شاید خشک سالی کی وجہ سے مشکلات اتنی زیادہ ہو گئی ہوں کہ بنیامین کے ہمراہ دوسرا سفر ضروری ہو گیا ہو۔

4۔حضرت یوسف (ع) کے واقعہ کو دسیوں سال گزر چکے تھے اور اس کا زخم کافی ہلکا ہو چکا تھا۔

5۔خداوند عالم نے حضرت یعقوب(ع) سے ان کے بچے کی حفاظت کا وعدہ کرلیا تھا۔

پیام:

1۔جس شخص کا گزشتہ ریکارڈ (record) خراب ہو اس پر فوراً اعتماد کرنا صحیح نہیں ہے۔(هَلْ آمَنُكُمْ)

2۔ماضی کی تلخ یادیں انسان کو آئندہ پیش آنے والے حادثات کا سامنا کرنے کے لئے آمادہ کردیتی ہیں۔(هَلْ آمَنُكُمْ ...عَلَى أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ)

3۔خداوند عالم کی بے نظیر رحمت کو پیش نظر رکھتے ہوئے نیز اس پر توکل و بھروسہ کرتے ہوئے حادثاتِ زندگی کا مقابلہ کرنا چاہیئے(فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ)

4۔ایک شکست یا کسی تلخ تجربے کی بنیاد پر انسان کو پیچھے نہیں ہٹنا چاہیئے۔(هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ...فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا)[1] یعقوب

نے خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے دوبارہ بھی دوسرے فرزند کو ان کے حوالے کر دیا۔

5۔رحمت خدا، سرچشمہ حفاظت ہے(فَاللَّهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ)

آیت 65:

(65)وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ قَالُوا يَاأَبَانَا مَا نَبْغِي هَذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ذَلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ .

''اور جب ان لوگوں نے اپنے اپنے اسباب کھولے تو اپنی اپنی پونجی کو دیکھا کہ بعینہٖ واپس کردی گئی ہے (تو اپنے باپ سے) کہنے لگے اے بابا! ہمیں (اور) کیا چاہیے (دیکھئے) یہ ہماری (جمع) پونجی تک تو ہمیں واپس دے دی گئی ہے (اور

----

(1) آیت نمبر 12 میں حضرت یعقوب (ع) نے حضرت یوسف (ع) کے لئے ان کے بھائیوں کے محافظ ہونے پر بھروسہ کیا تھا جس کے نتیجے میں یوسف (ع) کی جدائی اور نابینائی کا داغ اٹھانا پڑا لیکن بنیامین کے مورد میں خدا پر بھروسہ کیا اور کہا (فَــاللّٰہُ خَــیْرٌ حَافِظًا) نتیجہ یہ ہوا کہ بینائی بھی مل گئی اور فراق و جدائی، وصال و ملن میں تبدیل ہو گئی۔

غلہ مفت ملا اب آپ بنیامین کو جانے دیجئے تو) ہم اپنے اہل و عیال کے واسطے غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی پوری حفاظت کریں گے۔ اور ایک بار شتر غلہ اور بڑھوالائیں گے یہ (جواب کی دفعہ لائے تھے) تھوڑا سا غلہ ہے (یا معنی یہ ہو کہ ایک اضافی اونٹ کا بار عزیز مصر کے لئے معمولی چیز ہے)''

نکات:

کلمہ ''نمیر'' مادہ ''میر'' سے ہے یعنی کھانے پینے کا سامان "نمیر اھلنا" یعنی اپنے گھر والوں کی غذا فراہم کریں گے۔

جملہ " نَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ" سے استفادہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کا حصہ ایک بارِ شتر تھا جس کی بنیاد پر خود حاضر ہونا ضروری تھا تا کہ اسے حاصل کر سکے۔

پیام:

1۔فرزندان یعقوب (ع) اپنے باپ کے ساتھ تو زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے گھر والوں کے لئے اسباب خوردونوش فراہم کرنے کے لئے تلاش و جستجو کرتے تھے۔(فَتَحُــوا مَتَــاعَهُمْ ... يَاأَبَانَا...)

2۔ حضرت یوسف (ع) کا ہنر فقط یہ نہ تھا کہ وہ انسان کامل تھے بلکہ آپ کا کمال یہ تھا کہ آپ انسان سازی کررہے تھے۔''اپنے حاسد اور جفاکار بھائیوں کو مخفی طور پر ہدیہ دیا تاکہ دوبارہ آنے کے لئے راستہ ہموار ہوسکے"(وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ)[1]

3۔اگر شروع میں جنس کی قیمت نہ لی جائے تو خریدار کی تحقیر ہو گی ۔اگر ہدیہ کا قصد ہے تو پہلے قیمت لے لی جائے پھر محبت آمیز شکل میں پلٹا دیا جائے (رُدَّتْ إِلَيْهِمْ)

4۔اگر فراری کبوتر کو پکڑ نا چاہو تو تھوڑا سا دانہ اسے ڈالنا پڑے گا

''یوسف (ع) نے غلہ کی قیمت لوٹا دی تا کہ پلٹنے کا ارادہ اور قوی ہو جائے"(بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ)

5۔مرد گھر والوں کو غذا فراہم کرنے کا ذمہ دار ہے۔(نمـــــــیر اھلن)

6۔قحط اور کمیابی کے حالات میں اشیاء خوردونوش کو محدود حصوں میں بانٹنا یوسفی سنت ہے۔(نَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ)

----

(1)قرآن مجید میں خدا فرماتا ہے(ادفــع باللتــی هــی احســن)یعنی برائی کا جواب اچھائی سے دو۔ سورہ فصلت آیت 34.

آیت 66:

(66) قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّى تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلاَّ أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ

''(یعقوب (ع) نے) کہا جب تک تم لوگ میرے سامنے خدا سے عہد نہ کرلوگے کہ تم اس کو ضرور مجھ تک (صحیح و سالم) لے گے مگر یہ کہ تم خود کسی مشکل میں گھرج (تو مجبوری

ہے ورنہ میں تو تمہارے ساتھ ہر گز اس کو نہ بھیجوں گا) پھر جب ان لوگوں نے ان کے سامنے عہد کرلیا تو یعقوب نے کہا کہ ہم لوگ جو کہہ رہے ہیں خدا اس کا ضامن ہے''۔

نکات:

موثق : یعنی وہ چیز جو مدّ مقابل یعنی مخاطب کے بارے میں مایۂ وثوق واطمینان ہو جو عہد، قسم یا نذر ہو سکتی ہے۔(مَوْثِقًا مِنْ اللّٰہِ)

ہمارا پروردگار ہم پر ہمارے باپ سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ اس داستان میں حضرت یعقوب (ع) نے اپنے فرزندوں کی ایک خیانت پر اپنے دوسرے فرزند کو ان کے حوالے نہ کیا۔ لیکن ہم لوگ ہر روز خداوند عالم کے احکام کی صریحاً خلاف ورزی کرتے ہیں لیکن وہ اس معصیت کے باوجود ہم سے اپنی نعمات کو سلب نہیں کرتا۔

پیام:

1۔خدا پر ایمان ، ذات خداوند کی قسم نذر و عہد کل بھی قوی ترین سہارا تھااور آج بھی محکم پشت پناہ ہیں (مَوْثِقًا مِنْ اللهِ)

2۔ کسی کی بد قولی و بدر فتاری کے مشاہدہ کے بعد دوسرے موقع پر اس سے محکم و مستحکم معاہدہ کرنا چاہیئے (مَوْثِقً)

3۔اپنے بچوں کو آسانی کے ساتھ دوسروں کے ساتھ بھیجنا صحیح نہیں ہے۔(تُتونِ مَوْثِقًا مِنْ اللهِ)

4۔معاہدہ کرتے وقت ناگہانی اور غیر متوقع حوادث کی پیش بینی بھی کرنا چاہیئے (إِلاَّ أَنْ يُحاطَ بِكُمْ)یعنی تکلیف مالا یطاق ممنوع ہے۔

5۔تمام تر حقوقی اور قانونی معاہدوں کے ہوتے ہوئے خدا پر مکمل توکل سے غافل نہیں ہونا چاہیئے (اللهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ)

آیت 67:

(67) وَقَالَ يَابَنِيَّ لاَ تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَ وَمَا أُغْنِى عَنكُمْ مِنَ اللهِ مِنْ شَىْءٍ إِنْ الْحُكْمُ إِلاَّ لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلْ الْمُتَوَكِّلُون

''اور یعقوب نے (نصیحت کے طور پر چلتے وقت بیٹوں سے کہا) اے فرزندو! (دیکھو خبردار) سب کے سب ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا (کہ کہیں نظر نہ لگ جائے) اور متفرق دروازوں سے داخل ہونا اور میں تم سے اس (بلا) کو جو خدا کی طرف سے (آئے کچھ بھی ٹال نہیں سکتا) حکم تو (دراصل) خدا ہی کے واسطے ہے میں نے اسی پر بھروسہ کیا ہے اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیئے''۔

پیام:

1۔ نافرمان بیٹوں سے بھی باپ کی محبت ختم نہیں ہوتی(یَابَنِیَّ)

2۔ بچوں کی حفاظت وسلامتی کے لئے تدبیر و غور وفکر ضروری ہے(یَابَنِیَّ لاَتَدْخُلُوا)

3۔ وعظ و نصیحت کے بہترین اوقات میں سے ایک اہم وقت وہ ہے جب انسان سفر کے لئے تیار ہو۔ حضرت یعقوب (ع) نے سفر کے موقع پر فرمایا:(یَابَنِیَّ لاَ تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ)[1]

4۔ حساسیت ، بدگمانی اور بری نگاہ سے لوگوں کو بچانا چاہیئے جوانوں کا گروہی طور پر کسی اجنبی جگہ پر جانا بدگمانی و چغل خوری کا سبب بن سکتا ہے(لاَتَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ)

5۔ لطف و کرم اور قدرت خداوندی کو کسی ایک راہ میں منحصر نہیں سمجھنا چاہیئے اس ذات اقدس کا دست قدرت انتہائی وسیع ہے وہ جس راستہ سے چاہے مدد پہنچا سکتا ہے۔ (لاَ تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ)[2]

----

(1) روایات میں بھی ہے کہ سفر کرتے وقت وعظ و نصیحت کرنی چاہیئے.

(2) روایات میں ہے کہ : تاجر افراد اپنی تمام جمع پونجی کی سرمایہ کاری ایک جگہ پر نہ کریں تاکہ اگر ایک راستہ بند ہو جائے تو دوسری راہ کھلی رہے.

6۔احتیاط اور تدبیر کے ساتھ ساتھ (لاَ تَدْخُلُوا...) خدا پر توکل اور بھروسہ بھی ضروری ہے (عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ)

7۔ بہترین مدیر و سربراہ وہ ہے جو پروگرام اور منصوبے کے علاوہ تمام احتمالات کو مد نظر رکھے کیونکہ انسان اپنے امور کی انجام دہی میں مستقل نہیں ہے یعنی تمام تر احتیاط اور دقت کے باوجود خدا کا دست قدرت وسیع تر ہے اور ہماری تمام تر احتیاط اور حساب و کتاب کے باوجود ان کی انجام دہی پر صد در صد ضمانت نہیں ہے (وَمَا أُغْنِى عَنكُمْ مِنْ اللهِ مِنْ شَيْئٍ)

8۔خدا کے علاوہ کسی دوسرے پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے " عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ" کیونکہ وہ تن تنہا کافی ہے (و کفی باللہ وکیل)[1] اور اللہ بہترین وکیل ہے (نعم الوکیل)[2]

9۔حضرت یعقوب (ع) نے خود بھی خدا پر بھروسہ کیا اور دوسروں کو بھی خداپر " توکل" کرنے کاحکم فرمایا۔(تَوَكَّلْتُ... فَلْيَتَوَكَّلْ ...)

10۔خداوند متعال کے فیصلوں کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔(مَا أُغْنِي عَنكُمْ مِنْ اللهِ مِنْ شَيْءٍ)

11۔اس کائنات میں حکم کرنے کا مطلّقاً حق ، صرف ذات پروردگار کو ہے(إِنِ الْحُكْمُ إِلاَّ لِلَّهِ)

----

(1)سورہ نساء آیت 81.

(2)سورہ آل عمران آیت 173.

آیت 68:

(68) وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ مَا كَانَ يُغْنِى عَنْهُمْ مِنَ اللهِ مِنْ شَىْءٍ إِلاَّ حَاجَ فِى نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لاَيَعْلَمُون

''اور جب یہ سب بھائی جس طرح انکے والد نے حکم دیا تھا اسی طرح (مصر میں) داخل ہوئے تو (جو حکم) خدا (کی طرف سے آنے کو تھا اس) سے انہیں کوئی بچانے والا نہ تھا مگر (ہاں) یعقوب کے دل میں ایک تمنا تھی جسے انہوں نے بھی یوں پورا کرلیا چند مختلف دروازوں سے اپنے بیٹوں کو داخلے کا حکم دے کر یعقوب ان کو نظر بد سے بچانا چاہتے تھے کیونکہ اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ اسے چونکہ ہم نے علم دیا تھا صاحب علم ضرور تھا مگر بہتے رے لوگ (اس سے بھی) واقف نہیں ہیں''۔

نکات:

حضرت یعقوب علیہ السلام کی کونسی اندرونی خواہش پوری ہوئی

اس میں چند احتمالات ہیں:

1۔بنیامین حضرت یوسف علیہ السلام تک پہنچ جائیں اور حضرت یوسف (ع) کو تنہائی سے نجات ملے اگرچہ بنیامین پر چوری کی تہمت لگے۔

2۔ باپ بیٹے کے ملن میں سرعت اور جلدی ہوسکے جس کے بارے میں آئندہ اشارہ کیا جائے گا۔

3۔ فریضہ کی انجام دہی ، اگرچہ نتیجہ کی کوئی ضمانت نہ ہو حضرت یعقوب علیہ السلام کی حاجت یہ ہے کہ ملاقات کے مقدمات میں کوتاہی نہ ہو اور وہ لوگ ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہوں لیکن جو ہوگا وہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔

پیام:

1۔ تلخ تجربے انسان کو باادب بنادیتے ہیں اور وہ بزرگوں کی باتوں کو قبول کرنے لگتا ہے۔(دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ)

2۔ اگر کسی کی بے ادبی کا ذکر کیا ہے تو اس کے ادب کو بھی بیان کرنا چاہیئے۔(دَخَلُوا ... أَبُوهُمْ) (اگر برادران یوسف نے کل اپنے بابا پر گمراہی کا الزام لگایا تھا تو آج فرمان پدری پر سر تسلیم خم کردیا ہے۔)

3۔ پروگرام، عزائم، تخمینہ جات اور مصمم ارادے کے ساتھ اگر خداوند متعال کا ارادہ بھی ہو تو پھر تمام پروگرام عملی جامہ پہن سکتے ہیں لیکن اگر خدا کا ارادہ شامل حال نہ ہو تو تمام عزم و ارادے بے کار ہو جاتے ہیں۔(مَا كَانَ يُغْنِي عنهم مِنَ اللهِ مِنْ شَيْءٍ)

4۔ جناب یعقوب (ع) تمام مطالب و اسرار سے آگاہ تھے لیکن مصلحتاً ان کا اظہار نہیں فرمایا۔(حَاجَ فِی نَفْسِ یَعْقُوبَ)

5۔اولیائے خدا کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔(حَـــاجَ فِـــی نَفْسِ یَعْقُوبَ قَضَاهَا)

6۔انبی (ع)ء کا علم خداوند عالم کی طرف سے ہے(عَلَّمْنَ)

7۔ اکثر لوگ اسباب و علل کو دیکھا کرتے ہیں لیکن خدا کی حاکمیت اور لزوم توکل سے بے خبر ہوتے ہیں۔(أَكْثَـرَ النَّـاسِ لاَ يَعْلَمُون)

آیت 69:

(69)وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ آوَى إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّى أَنَا أَخُوكَ فَلاَ تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ

''اور جب یہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو یوسف نے اپنے حقیقی بھائی بنیامین کو اپنے پاس جگہ دی اور (چپکے سے) اس (بنیامین) سے کہہ دیا کہ میں تمہارا بھائی ہوں تو جو کچھ (بدسلوکیاں) یہ لوگ تمہارے ساتھ کرتے رہے ہیں اسکا رنج نہ کرو''۔

نکات:

تفسیروں میں مذکور ہے کہ جب برادران یوسف (ع) وارد مصر ہوئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی مہمان نوازی فرمائی جس میں ہر دو آدمیوں کے لئے غذا کا ایک طبق معین کردیا آخر

میں بنیامین تنہا رہ گئے تو حضرت یوسف (ع) نے ان کو اپنے نزدیک بٹھالیااس کے بعد ہر دوآدمیوں کے لئے ایک کمرہ معین کیا تو پھر بنیامین تنہا رہ گئے تو انہیں اپنے حجرے میں رکھ لیا وہاں بنیامین نے اپنے بھائیوں کی بے وفائی اور ظلم و ستم کا ذکر چھیڑ دیا جو انہوں نے حضرت یوسف (ع) پر ڈھائے تھے یہاں پر کاسہ صبر یوسفی لبریز ہوگیا۔ فرمایا: پریشان مت ہو میں وہی یوسف ہوں اور تاکید کے ساتھ فرمایا۔(انی انا اخوک) میں ہی تمہارا بھائی ہوں تاکہ ایسا کوئی احتمال نہ آئے کہ میں تمہارے بھائی کی جگہ پر ہوں۔

جملہ (فَلاَ تَبْتَئِسْ بِمَا کَانُوا یَعْمَلُون)کے معنی کے سلسلے میں دو احتمال ہیں۔

1۔ یا تو یہ کہ وہ اپنے بھائیوں کی گزشتہ کارستانیوں سے غمناک نہ ہو۔

2۔ یا یہ کہ وہ پروگرام جسے ہمارے غلاموں نے تمہارے لئے بنایا ہے کہ تمہارے حصے میں پیمانہ ڈال دیں گے تاکہ تم میرے پاس رہ سکو اس سے پریشان نہ ہونا۔

پیام:

1۔ وہ برادران جنہیں کل اپنی قدرت پر ناز تھااور کہہ رہے تھے '' نحن عصبہ '' ہمارا گروہ قوی ہے وہی آج اس درجہ کو پہنچ چکے ہیں کہ اپناآذوقہ (انتہائی کم غذا) مہیا کرنے کے لئے آستانہ حضرت یوسف (ع) پر تواضع کے ساتھ بوسہ دینے پر مجبور ہیں۔(دَخَلُوا عَلَی)

2۔ کلام اور گفتگو کے مختلف مرحلے ہیں کہیں مخفیانہ گفتگو ہوتی ہے تو کہیں اعلانیہ، حضرت یوسف نے مخفیانہ انداز سے فقط بنیامین سے کہا: (إِنِّی أَنَا أَخُوک)(ہر سخن جائی وہر نکتہ مقامی دارد) ہر سخن اور نکتہ کا اپنا موقع و محل ہوتا ہے۔

3۔ بعض امور سے فقط خاص لوگوں کو باخبر کرنا چاہیئے(فَلاَ تَبْتَئِسْ)

4۔جب بھی کوئی نعمت حاصل ہو تو ماضی کی تلخ کامیوں کو بھول جانا چاہیئے (یوسف (ع) اور بنیامین نے ملاقات کی چاشنی محسوس کرلی ہے تو اب ضرورت اس بات کی ہے کہ پرانی باتوں کو بھلا دیا جائے۔) (فَلاَ تَبْتَئِسْ)

5۔ کسی بھی پروگرام اور نقشہ کو عملی جامہ پہنانے سے قبل بے گناہ شخص کو روحانی و نفسیاتی طور پر آمادہ کرلینا چاہیئے ۔ (بنیامین سے کہا گیا کہ تمہیں چور قرار دے کر یہاں روکا جائے گا لہٰذا پریشان نہ ہونا۔) (فَلاَ تَبْتَئِسْ)

آیت 70:

(70) فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ

''پھر جب یوسف نے ان کا ساز وسامان (سفر غلہ وغیرہ) تیار کرا دیا تو اپنے بھائی کے سامان میں پانی پینے کا کٹورا رکھ دیا پھر ایک منادی للکار کے بولا کہ اے قافلے والو (ہو نہ ہو) یقینا تمہیں لوگ چور ہو''۔

نکات:

یہ دوسری نقشہ کشی ہے جسے حضرت یوسف علیہ السلام انجام دے رہے ہیں پہلی مرتبہ غلہ کی قیمت کو بھائیوں کے سامان میں

رکھ دیا تاکہ وہ دوبارہ پلٹ آئیں اس بار قیمتی برتن اپنے بھائی کے سامان میں رکھ دیا تاکہ اسے اپنے پاس رکھ سکیں۔

"سقایہ" اس کٹورے اور پیمانے کو کہتے ہیں جس میں پانی پیا جاتا ہے "رحـــل" اس خوگیر یا بوری کو کہتے ہیں جو اونٹ کے اوپر رکھی جاتی ہے اور اس کے دونوں اطراف سامان وغیرہ رکھنے کی گنجائش ہوتی ہے (پالان ، محمل) ''عیر'' اس قافلہ کو کہتے ہیں جو غذائی اجناس لے کر جاتا ہے[(1)]

تفسیروں میں بیان ہوا ہے کہ حضرت یوسف اور بنیامین کے درمیان جو نشست ہوئی اس میں حضرت یوسف نے بنیامین سے پوچھا کہ کیا وہ یوسف کے پاس رہنا پسند کرتے ہیں ؟ تو جناب بنیامین نے رضایت کا اظہار کر دیا لیکن یہ بتا دیا کہ ان کے بابا نے بھائیوں سے تعہد لیا ہے کہ بنیامین کو اپنے ہمراہ واپس لے کر آئیں

گے ۔ اس پر حضرت یوسف نے فرمایا : گھبر نہیں ، میں تمہارے رہنے کے لئے نقشہ کشی کرکے ایک راستہ نکال لوں گا۔

اس ماجرے میں بے گناہوں پر چوری کا الزام کیوں لگایا گیا؟

----

(1) مفردات راغب.

جواب: بنیامین نے اپنے بھائی کے پاس رکنے کے لئے بسر و چشم اس منصوبے کو قبول کیا تھا باقی برادران اگرچہ کچھ دیر کے لئے ناراض ہوئے لیکن تحقیق کے بعد ان سے الزامات مرتفع ہوگئے علاوہ ازیں کام کرنے والوں کو خبر نہ تھی کہ حضرت یوسف نے خود سامان کے درمیان پیمانہ ڈال دیا ہے۔ (جعل) ان لوگوں نے تو طبیعی طور چیخنا شروع کردیا کہ (انکم لسارقون) تم ہی لوگ چور ہو۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ان لوگوں نے حضرت یوسف (ع) کو حضرت یعقوب (ع) کی بارگاہ سے چرالیا تھا لہٰذا کام کرنے والوں نے یہ کہا کہ ہم نے بادشاہ کا پیمانہ گم کردیا ہے یہ نہیں کہا کہ تم لوگوں نے بادشاہ کا پیمانہ چرالیا ہے فقط حضرت یوسف علیہ السلام یہ بتانا چاہتے تھے تم لوگوں نے حضرت یعقوب (ع) کی بارگاہ سے یوسف (ع) کو چرایا ہے[1]

پیغمبر اسلام (ص) نے فرمایا: "لاکذب علی المصلح" اگر کوئی شخص دو آدمیوں کے درمیان صلح و آشتی اور رفع اختلافات کے لئے جھوٹ کا سہارہ لیتا ہے تو وہ جھوٹ شمار نہیں ہوتا، اس وقت آنحضرت (ص) نے اسی آیہ شریفہ کی تلاوت فرمائی۔[2]

----

(1) تفسیر نور الثقلین۔ البتہ اس عمل کو اصطلاح میں ''توریہ'' کہتے ہیں یعنی کہنے والا ایک خاص ہدف رکھتا ہے لیکن سننے والا دوسرا ہدف سمجھتا ہے۔ بہر حال اگر موذن سے مراد آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام ہیں تو یہ توریہ صحیح ہے۔ واللہ العالم۔

(2) تفسیر نورالثقلین۔ ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے موارد کذب میں شمار ہوتے ہیں یا نہیں یعنی آیا مصلح یا اس قسم کے لوگوں سے کذب کا حکم اٹھا لیا گیا ہے یا اصلاً جھوٹ ہی نہیں ہے۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے صدق و کذب، سچ اور

جھوٹ کے معنی کو دیکھنا پڑے گا عام طور پر صدق کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے : وہ خبر جو مطابق واقع ہو۔ جھوٹ کی تعریف یوں یہ کہا جاتا ہے : وہ خبر جو مخالف واقع ہو۔ اگر یہی تعریف صحیح ہے تو پھر بہت سے مقامات پر یہ قاعدہ ٹوٹ جائے گا مثال کے طور پر سورہ منافقین کی پہلی آیت میں خداوند عالم گواہی دیتا ہے کہ نبی اکرم (ص) خدا کے رسول ہیں لیکن وہیں پر فرماتا ہے کہ ''واللہ یشھد ان المنافقین لکاذبون'' اگر مطابق واقع خبر سچ ہے تو پھر منافقین کو سچا ہونا چاہیئے لیکن قرآن کریم فرما رہا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ اسی طرح مصلح خلاف واقع گفتگو کرتا ہے لیکن نبی اکرم فرماتے ہیں کہ یہ جھوٹ نہیں ہے۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ معیار صدق و کذب مطابق و مخالف واقع ہونا نہیں ہے بلکہ معیار کچھ اور ہے در حقیقت معیار صدق و کذب عدل و ظلم ہے جہاں ایک کلام عدل ہوگا وہ صدق ہوگا اور جہاں ظلم ہوگا وہاں کذب اور

جھوٹ ہوگا غالباً جو کلام صادق ہوتا ہے وہ عدل ہوتا ہے لیکن بہت کم موارد میں ایسا ہوتا ہے جہاں کذب عدل ہوتا ہے دوسری طرف غالباً کذب ظلم ہوتا ہے اور کم مواقع ایسے آتے ہیں جہاں صدق اور سچ ظلم ہوتا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ حکم شرعی، حرام اور مباح، دائر مدار صدق و کذب نہیں ہے بلکہ دائر مدار عدل و ظلم ہے۔ بنابریں مصلح کا صلح قائم کرنے کے لئے صحیح بات بتانے سے گریز کرنا عدل ہے لہٰذا وہ جھوٹ نہیں ہے، منافقوں کا رسول اکرم (ص) کو رسول کہنا باوجودیکہ دل سے ان کے مخالف تھے ظلم ہے، لہٰذا وہ سچ نہیں ہے، جناب یوسف (ع) کا اپنے بھائی کو روکنا عدل ہے تاکہ آئندہ کے لئے راہ ہموار ہوسکے، لہٰذا جھوٹ نہیں ہے۔ مترجم۔

پیام:

[1] کبھی کبھی کسی ماجرے کی گہرائی تک پہنچنے کے لئے نقشہ کشی اور سازش کا سہارہ لیا جاتا ہے[1] بنابریں اہم مصلحتوں کے پیش نظر بے گناہ شخص پر چوری کا الزام لگانا کہ جس کے بارے میں پہلے آگاہ کردیا ہو کوئی مشکل کام نہیں ہے[2]

آیت 71:

(71)قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا تَفْقِدُونَ

''یہ سن کر یہ لوگ پکارنے والوں کی طرف رخ کرکے کہنے لگے (آخر) تمہاری کونسی چیز گم ہوگئی ہے؟''

----

(1) مثلاً نمائش ، تصاویر اور فلم وغیرہ میں بظاہر لوگوں کو مجرم ، گناہگار وغیرہ جیسے خطاب سے مخاطب کیا جاتا ہے حتی انکو شکنجہ بھی دیا جاتا ہے لیکن چونکہ ان لوگوں کو پہلے سے متوجہ کر دیا جاتا ہے اور وہ راضی ہوتے ہیں اسی بنیاد پر اہم مصلحت کو دیکھتے ہوئے اسے قبول کر لیتے ہیں۔

(2) تفسیر المیزان ج،11 ص 244

آیت 72:

(72) قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ .

'' ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہمیں بادشاہ کا پیالہ نہیں ملتا ہے جو شخص اسے پیش کرے گا اس کے لئے بار شتر (غلہ انعام) ہے اور میں اس کا ضامن ہوں''۔

نکات:

" صُــــوَاعَ "[1] اور ''سقایہ'' دونوں ہم معنی ہیں یعنی وہ ظرف جس سے پانی پیا جاتا ہو اور اسی سے گیہوں بھی تولا جاتا ہو جو صرفہ جوئی کی علامت ہے یعنی ایک چیز سے چند کام۔

"حِملْ" بار کو کہتے ہیں '' حَمل '' بھی بار ہی کو کہتے ہیں لیکن اس بار کو جو پوشیدہ ہو مثلاًوہ بارش جو بادل میں چھپی ہو یا وہ بچہ جو شکم مادر میں ہو (2)

جملہ "لِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ" یعنی جو ایسا کرے گا اس کی جزا یہ ہو گی اسے فقہی اصطلاح میں "جُعالـــــــه" کہتے ہیں جو سابقہ اور قانونی اعتبار کا حامل ہے

پیام:

1۔انعام و اکرام کی تعیین پرانی روش ہے (لِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ)

2۔انعام و اکرام انسان اور زمانے کی مناسبت سے ہو نا چاہیئے۔ خشک سالی کے زمانے میں بہترین انعام غلے سے لدا ہوا ایک اونٹ ہے (حِمْلُ بَعِيرٍ)

3۔ حصول اطمینان کے لئے ضامن قرار دینا تاریخی سابقہ رکھتا ہے(أَنَا بِهِ زَعِيم)

----

(1) تفسیر اطیب البیان میں آیا ہے کہ صواع اس ظرف کو کہتے ہیں جس میں ایک صاع (تقریبا تین کلو) گیہوں کی گنجائش ہوتی ہے.

(2) مفردات راغب.

آیت 73:

(73) قَالُوا تَاللهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِی الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ .

''تب یہ لوگ کہنے لگے خدا کی قسم تم تو جانتے ہو کہ ہم (تمہارے) ملک میں فساد کرنے کی غرض سے نہیں آئے اور نہ ہی ہم لوگ چور ہیں''۔

نکات:

.برادران یوسف نے کہا: آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہم لوگ چوری اور فساد برپا کرنے کے لئے نہیں آئے وہ لوگ یہ کیسے جانتے تھے کہ یہ چور اور فسادی نہیں ہیں؟ اس میں چند احتمال ہیں۔ (1)

شاید حضرت یوسف نے اشارہ کیا ہو کہ یہ لوگ چور نہیں ہیں (2)

شاید شخصی داخلہ کے وقت کچھ افراد معین ہوں کہ جو رفت و آمد پر نظر رکھتے ہوں۔ جی ہاں ! یقینا باہر سے آنے جانے والے افراد کی نگرانی کرنی چاہیئے خصوصاً اس وقت جب ملک بحرانی کیفیت میں ہو تو زیادہ گہری نگاہ رکھنی چاہیئے تاکہ آنے والے مسافرین کے اہداف کا علم رہے۔

پیام:

1۔ بے داغ ماضی، بری الذمہ ہونے کی علامت ہے۔(لَقَــــدْ عَلِمْتُم)

2۔ ''چوری'' بھی زمین پر فساد کا ایک مصداق ہے(مَـا جِئْنَـا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ)

آیت 74:

(74) قَالُوا فَمَا جَزَهُ إِنْ كُنتُمْ كَاذِبِينَ

''وہ (ملازمین) بولے کہ اگر تم جھوٹے نکلے تو پھر اس (چور) کی سزا کیا ہونی چاہیئے''۔

نکات:

جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ سوال تیار کرنے والے حضرت یوسف علیہ السلام ہیں چونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے بھائی کنعان کے علاقائی قانون اور حضرت یعقوب کے (نظریہ کے) مطابق اپنا نظریہ پیش کریں گے۔

کیا قاضی کے علم اور ملزم کے قسم کھانے کے باوجود بھی تحقیق کرنا ضروری ہے؟ (تَاللهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ)

جواب: جی ہاں۔ اس کی دلیل جملہ " فَمَا جَزَٰؤُهُ إِنْ كُنتُمْ كَاذِبِينَ " ہے۔

پیام:

1۔ مجرم کی سزا کو معین کرنے کے لئے اس کے ضمیر سے سوال کیا جائے (فَمَا جَزَٰؤُهُ...)

آیت 75:

(75) قَالُوا جَزَٓؤُهُ مَنْ وُّجِدَ فِی رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَٓؤُهُ کَذَلِکَ نَجْزِی الظَّالِمِینَ .

''وہ (بے دھڑک) بول اٹھے کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے بورے میں وہ (پیالہ) پایا جائے تو وہی اس کا بدلہ ہے (تو وہ مال کے بدلے میں غلام بنایا جائے گا) ہم لوگ تو (اپنے یہاں کنعان میں) ظالموں (چوروں) کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں''۔

پیام:

1۔ بعض گزشتہ اقوام میں چوری کی سزا چور کو غلام بنا لینا تھی[1]۔(فَهُوَ جَزَٓؤُهُ)

2۔ قانون میں کوئی استثناء اور پارٹی بازی نہیں ہونی چاہیئے۔ جو بھی چور ہوگا غلامی کی زنجیر اس کے پیروں میں ہوگی۔(مَنْ وُجِدَ فِی رَحْلِهِ)

3۔ ممکن ہے کہ مجرم کی سزا اس کے علاقے کے قانون کے مطابق ہو۔ میزبان ملک کے قانون کے مطابق سزا دینا ضروری نہیں ہے۔(کَذَلِکَ نَجْزِی الظَّالِمِینَ)

4۔ چوری، ظلم کا کھلا ہوا نمونہ ہے کیونکہ آیت کے آخری حصے میں لفظ ''سارق'' کے بجائے ''ظالم'' استعمال ہوا ہے۔

----

(1) بنابر نقل تفسیر مجمع البیان اس غلامی کی مدت ایک سال تھی.

آیت 76:

(76) فَبَدَأَ بِأَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِعَاءِ أَخِيهِ كَذَلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلاَّ أَنْ يَشَاءَ اللهُ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ .

"غرض یوسف نے اپنے بھائی کے شلیتے کھولنے سے پہلے دوسرے بھائیوں کے شلیتوں سے (تلاشی) شروع کی اس کے بعد (آخر میں) اس (پیالے) کو یوسف نے اپنے بھائی کے شلیتہ سے برآمد کیا، یوسف کے (بھائی کو روکنے کی) ہم نے یوں تدبیر بتائی ورنہ وہ (بادشاہ مصر کے) قانون کے مطابق اپنے بھائی کو نہیں روک سکتے تھے مگر ہاں جب ہم چاہتے ہیں اس کے درجات بلند کر

دیتے ہیں ،اور ہر صاحب علم سے بڑھ کر ایک بہت بڑی دانا ذات (بھی) ہے''۔

نکات:

چونکہ بنیامین اس واقعہ سے آگاہ تھے لہٰذا تلاشی کے وقت کافی مطمئن تھے ، یہی وجہ ہے کہ اس پورے ماجرے میں کہیں بھی ان کی طرف سے کوئی اعتراض نقل نہیں کیا گیا ہے۔علاوہ ازین تاکہ یہ نقشہ کشی مخفی رہ سکے اور بدگمانی کا سبب نہ بنے تلاشی کو دوسرے لوگوں سے شروع کیا گیا یہاں تک کہ بنیامین کی نوبت آگئی اور جب وہ پیمانہ ان کے سامان میں پایا گیا تو اب گزشتہ قرارداد کے مطابق ان کا مصر میں رہنا ضروری ہوگیا۔یہ خدائی تدبیر تھی کیونکہ جناب یوسف علیہ السلام مصری قوانین کے تحت چور کو بعنوان غلام نہیں رکھ سکتے تھے۔

کلمہ "کیـــــد" تمام مقامات پر مذموم معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ تدبیر ، چارہ اندیشی اور منصوبہ بندی کے معنی میں بھی مستعمل ہے (کدنا)

پیام:

1۔اطلاعات جمع کرنے پر مامور افراد کو کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیئے جس سے دوسروں کو ان پر شک ہو جائے(فَبَدَأَ بِأَوْعِيَتِهِمْ) (وہ تلاشی لینے کے لئے سب سے پہلے بنیامین کے پاس نہیں گئے بلکہ تلاشی دوسرں کے سامان سے شروع کی۔)

2۔ کارکنان کے کاموں کی نسبت مسئول کی طرف دی جاتی ہے (فَبَدَ) (برحسب ظاہر حضرت یوسف (ع) نے تلاشی نہیں لی تھی لیکن قرآن فرماتا ہے کہ تلاشی انہوں نے شروع کی تھی۔)

3۔ فکر و تخلیقی صلاحیت، منصوبہ بندی و چارہ جوئی غیبی امداد سے حاصل ہوتی ہے(كِدْنَ)

4۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی تدبیریں الہامی تھیں۔(كِـدْنَا لِيُوسُفَ)

5۔ حضرت یوسف (ع) کے پاس بنیامین کا رہنا حضرت یوسف کے لئے فائدہ مند تھا۔ (کَذَلِکَ کِدْنَا لِیُوسُفَ)

6۔ قانون کا احترام اور اس کی رعایت غیر الٰہی حکومت میں بھی ضروری ہے۔ (مَا کَانَ لِیَأْخُذَ أَخَاهُ فِی دِینِ الْمَلِک)

7۔ معنوی مقامات مختلف درجات اور مراتب کے ایک سلسلہ کے حامل ہیں۔ (نَرْفَعُ دَرَجات...)

8۔ علم و آگاہی برتری کا سرمایہ ہے (نَرْفَعُ دَرَجاتٍ. وَفَوْق کُلِّ ذِی عِلْمٍ عَلِیمٌ)

9۔ بشری علم محدود ہے (فَوْق کُلِّ ذِی عِلْمٍ عَلِیمٌ)

آیت 77:

(77) قَالُوا إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَهُ مِنْ قَبْلُ فَأَسَرَّهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَالَهُمْ قَالَ أَنْتُمْ شَرٌّ مَكَانًا وَااللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ .

''(غرض بنیامین روک لئے گئے) تو یہ کہنے لگے اگر اس نے چوری کی ہے تو (کونسی تعجب کی بات ہے) اس سے پہلے اسکا بھائی (یوسف) چوری کرچکا ہے تو یوسف نے (اس تہمت کا کوئی جواب نہیں دیا اور) اس کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھا اور ان پر ظاہر نہ ہونے دیا (مگر) یہ کہہ دیا کہ تم لوگ برے ہو (نہ کہ ہم دونوں) اور جو (اس کے بھائی کی چوری کا) حال تم بیان کررہے ہو اس سے خدا خوب واقف ہے''۔

پیام:

1۔ متہم یا تو انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں چور نہیں ہوں (ما کنا سارقین) یا یہ توجیہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کا چوری کرنا کوئی نئی بات نہیں ہے اس سے پہلے بھی اس کا بھائی چوری بھی کر چکا ہے۔(فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَهُ مِنْ قَبْل)

2۔ حسد کا مریض سالہا سال کے بعد بھی چٹکی لینے سے باز نہیں آتا۔(فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَهُ مِنْ قَبْل)

3۔ ایک بھائی کا اخلاق دوسرے بھائی پر اثر انداز ہوتا ہے (أَخٌ لَـــهُ)ماں کا کردار بھی بچوں پر اثر انداز ہوتا ہے (یوسف (ع) اور بنیامین کی ماں ایک تھی)

4۔ جہاں محبت اور دل صاف نہ ہو وہاں تہمت بہت جلد لگا دی جاتی ہے۔(إِنْ يَسْــرِقْ فَقَــدْ...) (پیمانہ کا بنیامین کے سامان سے باہر نکلنا چوری کی دلیل نہیں ہے، لیکن چونکہ بھائیوں کو بنیامین سے محبت نہ تھی اس لئے ان لوگوں نے چوری کا الزام لگا دیا اور مسئلہ کو تسلیم کرلیا۔)

5۔ جہاں محبت نہیں ہوتی وہاں جزئی اور چھوٹی سی غلطی کو کلی اور بڑی بھاری خطا شمار کیا جاتا ہے (انہوں نے "سرق" فعل ماضی کے بجائے فعل مضارع "یســـــرق" استعمال کیا یعنی اس کام میں استمرار ہے گویا بنیامین کا روزانہ کا کام یہی تھا)۔

6۔ ہدف تک پہنچنے کے لئے لعن و طعن کے تیر سہنے پڑتے ہیں۔ (سَرَقَ أَخٌ لَهُ مِنْ قَبْلُ)

7۔ کچھ لوگ بعض مواقع پر اپنی آبرو بچانے کے لئے دوسرے پر تہمتیں لگاتے ہیں۔(سَرَقَ أَخٌ لَهُ مِنْ قَبْلُ)

8۔ جواں مردی اور کشادہ قلبی رمز رہبری ہے۔(أَسَـــــــرَّهَا يُوسُفُ)

9۔ راز کا فاش کرنا ہمیشہ قابل اہمیت و ارزش نہیں ہے ۔ (وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ)

10۔ '' تحقیر'' نہی از منکر کا ایک طریقہ ہے۔(أَنْـــتُمْ شَــرٌّ مَكَانًا)

آیت 78:

(78) قَالُوا يَاأَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ إِنَّا نَرَاكَ مِنْ الْمُحْسِنِينَ .

(اس پر) ان لوگوں نے کہا: اے عزیز! اس (بنیامین) کے والد بہت بوڑھے (آدمی) ہیں (اور اس کو بہت چاہتے ہیں) تو آپ اس کے عوض ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے اور اس کو چھوڑ دیجئے کیونکہ ہم آپ کو نیکوکار بزرگ سمجھتے ہیں''۔

نکات:

جب برادران یوسف (ع) نے دیکھ لیا کہ بنیامین کا روکا جانا قطعی ہوگیا ہے تو حضرت یوسف (ع)کے سلسلے میں اپنے سابقے اور بنیامین کے بارے میں اپنے باپ سے کئے گئے عہد و پیمان کو پیش

نظر رکھتے ہوئے نیز یہ احساس کرتے ہوئے کہ بنیامین کے بغیر پلٹنے کے نتائج بڑے تلخ ہوں گے، نفسیاتی طریقے سے حضرت یوسف (ع) سے التماس کرنے لگے۔ گڑگڑانے لگے اور احساسات کو بھڑکاتے ہوئے یہ کہنے لگے آپ (ع) صاحب عزت و قدرت اور نیک کردار ہیں۔ اس کا باپ بوڑھا ہے اس کے بدلے میں آپ ہم میں سے کسی کو بھی غلام بنالیجئے اور سب بھائی بنیامین کی بخشش کرانے کے لئے آمادہ ہوگئے۔

پیام:

1۔ مقدارت الٰہی ایک دن ہر سنگ دل اور ستمگر کو ذلت ورسوائی کی خاک چٹواتی ہے بلکہ گڑگڑانے پر مجبور کردیتی ہے ان لوگوں کے جملہ (يَاأَيُّهَــا الْعَزِيــزُ...) کے آہنگ میں اس بات کا ثبوت موجود ہے۔

2۔ اقتدار کے زمانے میں بھی حضرت یوسف (ع) کا نیک کردار نمایاں تھا۔ (نَرَاکَ مِنْ الْمُحْسِنِینَ)

آیت 79:

(79) قَالَ مَعاذَ اﷲِ أَنْ نَأْخُذَ إِلاَّ مَنْ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ إِنَّا إِذًا لَظَالِمُونَ .

''(حضرت یوسف نے) کہا : معاذاللہ (یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ)ہم نے جس کے پاس اپنی چیز پائی ہے اسے چھوڑ کر دوسرے کو پکڑلیں ؟(اگر ہم ایسا کریں) تو ہم ضرور بڑے بے انصاف ٹھہریں گے''۔

نکات:

حضرت یوسف علیہ السلام کے نپے تلے الفاظ اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ آپ (ع) بنیامین کو چور ثابت کرنا نہیں چاہتے ہیں اسی لئے آپ (ع) نے ''وجدنا سارقا '' نہیں فرمایا بلکہ "

وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ"فرمایا۔ یعنی متاع و پیمانہ اس کے سامان میں تھا وہ خود چور نہیں ہے۔

اگر جناب یوسف (ع) بنیامین کے بجائے کسی دوسرے بھائی کو رکھ لیتے تو ان کے سارے کئے کرائے پر پانی پھر جاتا اس کے علاوہ دوسرے بھائی، بنیامین کے ساتھ چوروں جیسا سلوک کرتے انہیں مختلف طریقوں سے اذیت پہنچاتے اور جو شخص بنیامین کے بجائے رکتا وہ یہ سوچتا کہ ناحق گرفتار ہو گیا ہوں۔

پیام:

1۔ قانون کی رعایت ہر شخص پر لازم ہے حتی عزیز مصر کے لئے بھی قانون شکنی ممنوع ہے۔(مَعَاذَ اللهِ)

2۔ قانون شکنی ظلم ہے (کسی کے کہنے پر قانون توڑنا صحیح نہیں ہے)(مَعَاذَ اللهِ أَنْ نَأْخُذَ ... لَظَالِمُونَ)

3۔ بے گناہ کو گناہ گار کے بدلے سزا نہیں دینی چاہیئے اگرچہ وہ خود اس پر راضی ہو، (مَعَاذَ اللہ)

آیت 80:

(80) فَلَمَّا اسْتَيْئَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا قَالَ كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُمْ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ فِي يُوسُفَ فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّى يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ .

''پھر جب یوسف کی طرف سے مایوس ہو گئے تو باہم مشورہ کرنے کے لئے الگ کھڑے ہوئے۔ تو جو شخص ان سب میں بڑا تھا کہنے لگا! (بھائیو!) کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ تمہارے والد نے تم سے خدا کا عہد لیا ہے اور اس سے پہلے تم لوگ یوسف کے بارے میں کیا کچھ تقصیر کر ہی چکے ہو، تو (بھائی) جب تک میرے والد مجھے اجازت (نہ) دیں یا خدا مجھے کوئی حکم (نہ) دے میں اس

سرزمین سے ہر گز نہ ہلوں گا۔اور خدا تو سب حکم دینے والوں سے
کہیں بہتر ہے''۔

نکات:

''خلصوا''یعنی اپنے گروہ کو دوسرے سے جدا کرنا" نَجِيًّـــا "یعنی
سرگوشی کرنا،لہٰذا" خَلَصُوا نَجِيًّا "یعنی محرمانہ نشست (secret
meeting) تشکیل دی کہ اب کیا کریں۔

پیام:

1۔ احکام الٰہی کو جاری کرنے کی راہ میں التماس و خواہشات مانع نہیں ہونا چاہئے۔ (اسْتَيْئَسُوا مِنْه)

2۔ ایک دن وہ تھا جب یہی بھائی اپنی قدرت کے نشہ میں مست ہو کر جناب یوسف (ع) کے سلسلے میں مشورہ کر رہے تھے کہ ان کو کیسے ختم کریں (اقتلوا یوسف او طرحوہ ارضا ... لاتقتلوا ... القوہ...) آج وہ زمانہ آگیا ہے کہ کاسۂ التماس ہاتھوں میں لئے بنیامین کی آزادی کی بھیک مانگ رہے ہیں اور اسی کاسۂ التماس کے ہمراہ نجویٰ اور سرگوشی کر رہے ہیں کہ کیسے بنیامین کو آزاد کرایا جائے۔ (خَلَصُوا نَجِيًّا)

3۔ تلخ اور ناگوار حوادث میں بڑے لوگ زیادہ ذمہ دار اور شرمسار ہوتے ہیں (قَالَ كَبِيرُ هُمْ)

4۔ عہد و پیمان کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔(أَخَـــذَ عَلَـــيْكُمْ مَوْثِقًا)

5۔ سخت اور محکم عہد و پیمان غلط فائدہ اٹھانے کی راہ کو مسدود کر دیتے ہیں۔(أَخَذَ عَلَيْكُمْ مَوْثِقًا)

6۔ خیانت اور جنایت مرتے دم تک زندہ ضمیروں کو اذیت پہنچاتی رہتی ہے۔(مِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطتُمْ فِي يُوسُفَ)

7۔ دھرنا ڈالنا ایک پرانی روش اور انداز ہے۔(فَلَـــنْ أَبْـــرَحَ الْأَرْض)

8۔ غربت (یعنی پردیس کو وطن پر ترجیح دینا) شرمندگی سے بہتر ہے(فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ)

9۔ خداوندعالم کے بارے میں ہمیشہ حسن ظن رکھنا چاہئے ۔ (هُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ)

آیت 81:

(81) إِرْجِعُوا إِلَى أَبِيكُمْ فَقُولُوا يَاأَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَا إِلاَّ بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حافِظِينَ .

''تم لوگ اپنے والد کے پاس پلٹ کر ج اور (ان سے جا کر) عرض کرواے بابا آپ کے صاحبزادے نے سچ مچ چوری کی ہے اور ہم لوگوں نے تواپنی دانست کے مطابق (اس کے لئے آنے کا عہد کیا تھا)اور ہم کچھ (از) غیبی (آفت)کے نگہبان تو تھے نہیں''۔

پیام:

1۔ انسان خود خواہ ہے ،جب زیادہ گیہوں لانے کی بات تھی تو بھائیوں نے (ارسل معنا اخان) کہا یعنی ہمارے بھائی کو ہمارے

ساتھ روانہ کردیجئے لیکن جب آج تہمت کی بات آئی تو (ابْنَـــــکَ) (یعنی آپ کے صاحبزادے نے چوری کی) کہنے لگے۔ ''ہمارے بھائی'' نہیں کہا۔

2۔ شہادت اور گواہی، علم کی بنیاد پر ہونا چاہیئے۔(وَمَا شَـهِدْنَا إِلاَّ بِمَا عَلِمْنَ)

3۔ عہد و پیمان میں ان حوادث کے سلسلے میں بھی ایک تبصرہ کرنا چاہیئے جس کی پیش بینی نہ ہوئی ہو (وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ...)

4۔ عذر کو صراحت کے ساتھ پیش کرنا چاہیئے۔(وَمَـــا كُنَّـــا لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ)

آیت 82:

(82) وَسْئَلِ الْقَرْیَ الَّتِی کُنَّا فِیهَا وَالْعِیرَ الَّتِی أَقْبَلْنَا فِیهَا وَإِنَّا لَصَادِقُونَ .

''اور (اگر ہماری باتوں پر اعتبار نہیں ہے تو)آپ اس بستی کے لوگوں سے جس میں ہم لوگ تھے پوچھ لیجئے اور اس قافلہ سے بھی جس میں ہم آئے ہیں (دریافت کرلیجئے) اور ہم یقینا بالکل سچے ہیں''۔

نکات:

''قریہ'' فقط دیہات کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا ہے بلکہ ہر محل اجتماع اور رہائشی علاقہ کو ''قریہ'' کہتے ہیں چاہے وہ شہر ہو یا دیہات۔ یہاں پر یہ واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ وسئل القریہ

سے مراد" واسئل اهل القريه" ہےں۔یعنی اہل قریہ سے سوال کیجئے۔

"عیر"خوردونوش کی چیزوں کولانے لے جانے والے کارواں کو کہا جاتا ہے۔

کل حضرت یوسف (ع)کے قتل کے سلسلے میں (کہ بھیڑیا یوسف کو کھاگیا) بھائیوں کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی لیکن یہاں پر انھوں نے اپنے دعوے کی دو دلیلیں پیش کیں (1) اہل مصر سے سوال کیجئے (2) اہل قافلہ سے سوال کیجئے کہ جن کے ساتھ ہم نے سفر کیا، علاوہ ازیں حضرت یوسف (ع)کے قتل کے واقعہ میں ان لوگوں نے "لوكنا صادقين"کہا تھا جس میں ''لو''تردید، بے چینی اور سستی کی علامت ہے لیکن اس واقعہ میں کلمہ "انّا"'اور حرف لام کو جو "لَصَادِقُونَ"'میں ہے استعمال کیا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ وہ قطعاً سچے ہیں۔

پیام:

1۔ برا سابقہ اور جھوٹ تادم مرگ، انسان کی گفتگو قبول کرنے میں شک و تردید پیدا کردیتا ہے۔(وَاسْأَلْ الْقَرْیَ)

2۔ اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے عینی شاہدوں کی گواہی ایک معتبر روش ہے۔(وَاسْأَلْ الْقَرْیَ...وَالْعِیرَ...)

آیت 83:

(83) قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ عَسَى اللهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ .

''(غرض جب ان لوگوں نے جا کر بیان کیا تو) یعقوب نے کہا: (اس نے چوری نہیں کی ہے) بلکہ یہ بات تم نے اپنے دل سے گڑھ لی ہے، میں تو صبر جمیل (اور خدا کا شکر) کروں گا خدا سے تو مجھے امید ہے کہ میرے سب (لڑکوں) کو میرے پاس پہنچا دے بے شک وہ بڑا واقف کار حکیم ہے''۔

نکات:

جب حضرت یوسف (ع) کے بھائی بناوٹی غمگین صورت میں ٹسوے بہاتے ہوئے خون بھرا کرتا لے کر اپنے بابا کے پاس آئے

اور کہنے لگے کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا تو اس وقت حضرت یعقوب (ع) نے فرمایا تھا (بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ) یعنی یہ تمہارا نفس ہے جس نے اس کام کو تمہارے سامنے اچھا کرکے پیش کیا ہے لیکن میں بہترین صبر کروں گا۔

اور آج اس موقع پر جب آپ (ع) کے دو فرزند (بنیامین اور بڑا بیٹا) آپ (ع) سے جدا ہوگئے تو آپ (ع) نے پھر وہی جملہ دھرایا ۔ یہاں پر ممکن ہے ایک سوال پیدا ہو کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ماجرے میں تو ان لوگوں نے سازش اور خیانت کی تھی لیکن بنیامین کے سلسلے میں اس قسم کی بات نہ تھی پھر دونوں مواقع پر حضرت یعقوب (ع) کا لب ولہجہ ایک ہی کیوں ہے ؟(بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أمراً فَصَبْرٌ جَمِيل) تفسیر المیزان میں اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے: ''حضرت یعقوب (ع) بتانا چاہتے تھے کہ بنیامین کی دوری بھی تمہاری اسی پہلی حرکت کا نتیجہ

ہے جو تم نے حضرت یوسف (ع) کے ساتھ انجام دی تھی یعنی یہ تمام تلخیاں اسی بدرفتاری کا نتیجہ ہیں''۔

یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ تم یہاں بھی یہی خیال کررہے ہو کہ تم بے گناہ ہو اور تمہارا کام صحیح ہے جبکہ تم گناہ گار ہو کیونکہ سب سے پہلے تو یہ کہ تم نے اپنے بھائی کے سامان میں پیمانہ دیکھ کر اسے چور سمجھ لیا، ہوسکتا ہے کسی دوسرے نے اس کے غلہ میں پیمانہ ڈال دیا ہو۔ دوسری بات یہ کہ تم لوگ اتنا جلدی کیوں پلٹ آئے، تمہیں تحقیق کرنا چاہیئے تھی۔ اور تیسری بات یہ کہ تم نے چور کی سزا اس کو غلام بنانا کیوں قرار دیا[1]

صبر کبھی ناچاری اور بے چارگی کی بنیاد پر ہوتا ہے جیسا کہ اہل جہنم کہیں گے (سواء اصبرنا ام جز عنا) مقصود یہ ہے کہ صبر یا فریاد کرنا ہماری نجات کا باعث نہیں بن سکتا، لیکن کبھی کبھی صبر باخبر ہونے کے باوجود اپنی پسند سے خداوند عالم کی رضا کی خاطر کیا

جاتا ہے اس صبر کا رخ زیبا مختلف مقامات پر مختلف انداز میں نکھرتا ہے ۔ میدان جنگ میں اس کا نام ''شجاعت''، دار دنیا میں اس کا نام ''زہد''، گناہوں کے مقابلے میں اس کا نام '' تقوی''، شہوت کے مقابلے میں اس کا نام ''عفت'' اور مال حرام کے مقابلے میں اس کا نام ''ورع'' ہے۔

----

(1) تفسیر نمونہ، لیکن صاحب تفسیر المیزان کا کلام زیادہ مناسب ہے کیونکہ بنیامین کے سامان میں پیمانہ ملنے کی وجہ سے سب کو یقین ہو جاتا ہے کہ وہی چور ہیں علاوہ ازیں بڑے بھائی کا مصر میں رکنا اسی کام کی تحقیق اور احساسات کو جلب کرنے کے لئے تھا اور چور کی سزا کی جو بات ہے تو اس علاقے میں چور کی سزا وہی تھی جو انہوں نے قرار دی بنابریں ان تینوں میں سے کوئی ایک مسئلہ

بھی ایسا نہیں ہے جس میں نفس کا دخل ہو اور (بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ) کہا جائے۔

پیام:

1۔ نفس گناہوں کی توجیہ کے لئے برے کام کو انسان کی نگاہ میں اچھا کرکے دکھاتا ہے(بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ)[1]

2۔ صبر کرنا مردان خدا کا شیوہ ہے اور" صبر جمیل" اس صبر کو کہتے ہیں جس میں رضائے الٰہی کے لئے سر تسلیم خم کیا جائے اور زبان سے کوئی فقرہ بھی ادا نہ ہو[2](فَصَبْرٌ جَمِيلٌ)

3۔ کبھی بھی قدرت خدا سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے (عَسَى اللهُ أَنْ يَأْتِيَنِى بِهِمْ جَمِيعًا)

4۔ حضرت یعقوب (ع) کو اپنے تینوں فرزندوں (یوسف ، بنیامین ۔ بڑے بیٹے) کی زندگی کا یقین تھا اور ان سے ملاقات کی امید تھی (أَنْ يَأْتِيَنِى بِهِمْ جَمِيعًا)

5۔ پروردگار عالم تمام مسائل کو حل کرنے پر مکمل قدرت رکھتا ہے خداوند عالم کل کے یوسف اور آج کے بنیامین وغیرہ کو جمع کرسکتا ہے۔(جَمِيعاً)

6۔ مومن، تلخ حوادث کو بھی خداوند عالم کی حکمت سمجھتا ہے۔ (الْحَكِيمُ)

7۔افعال الٰہی کے عالمانہ اور حکیمانہ ہونے پر یقین رکھنا انسان کو دشوار سے دشوار حادثات میں صبر وشکیبائی پر آمادہ کرتا ہے۔ (فَصَبْرٌ جَمِيلٌ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيم)

----

(1) شیطان بھی اسی چال کا استعمال کرتا ہے۔(زین لھم الشیطان ماکانوا یعملون۔ انعام: 43)اسی طرح دنیا کے زرق برق بھی اس

قسم کی خوشنمائی میں کارآمد ثابت ہوتے ہیں ۔ حتی اذا اخذت
الارض زخرفھا وازینت۔یونس 24.
(2) تفسیر نورا ثقلین.

آیت 84:

(84) وَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَاأَسَفَى عَلَى يُوسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ .

''اور یعقوب نے ان لوگوں سے منہ پھیر لیا اور (رو کر) کہنے لگے : ہائے افسوس یوسف پر (اور اس قدر روئے کہ) غم کی وجہ سے ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں وہ تو بڑے رنج کے ضابط تھے''۔

نکات:

کلمہ ''اسف'' غضب کے ہمراہ حزن وملال کو کہتے ہیں جناب یعقوب (ع) کی آنکھیں گریاں ، زبان پر ''یااسفا''اور دل میں حزن وملال تھا۔

ایک روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ (ع) نے فرمایا: میرے بابا علی بن الحسین + واقعۂ کربلا کے بعد بیس)20 (سال تک ہر گھڑی آنسو بہاتے رہے۔ آپ (ع) سے سوال کیا گیاآپ اتنا کیوں روتے ہیں ؟ تو آپ (ع) نے جواب دیا: یعقوب کے گیارہ فرزند تھے جس میں سے ایک غائب ہوا تھا جبکہ (وہ جانتے تھے کہ) وہ زندہ ہے لیکن اتنا روئے کہ آنکھےں سفید ہوگئیں جبکہ ہم نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے بابا، اپنے بھائیوں اور خاندان نبوت کے سترہ افراد کو شہید ہوتے ہوئے دیکھا ہے (ذرا بت) ہم کیسے آنسو نہ بہائیں؟

پیام:

1۔ حاسد کو ایک زمانہ تک حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ (وَتَوَلَّى عَنْهُمْ)

2۔ ان لوگوں نے چاہا کہ یوسف کو درمیان سے نکال کر اپنے بابا کے محبوب ہو جائیں گے۔ (يخل لكم وجه ابيكم) لیکن حسد و جلن نے باپ کے قہر و غضب میں اضافہ کردیا (تَوَلَّى عَنْهُم)

3۔ غم واندوہ اور گریہ وزاری کبھی کبھی بصارت کے زائل ہونے کا سبب ہوتی ہے۔ (ابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ)

4۔ گریہ و غم، ضبط و تحمل اور صبر کے منافی نہیں ہے (فَصَبْرٌ جَمِيلٌ يَاأَسَفَى، فَهُوَ كَظِيمٌ)

5۔ حضرت یعقوب (ع) کو معلوم تھا کہ ظلم صرف یوسف (ع) پر ہوا ہے دوسروں پر نہیں۔(یاأَسَفَا عَلَی یُوسُفَ)

6۔ فریاد وبکا سوز و عشق معرفت کے محتاج ہےں (حضرت یعقوب (ع) کو حضرت یوسف (ع) کی معرفت تھی اسی بنیاد پر ان کی آنکھوں کی بنیائی زائل ہو گئی۔)

7۔ مصائب کی اہمیت کا دار ومدار افراد کی شخصیت پر ہے (یوسف (ع) پر ڈھائے گئے مظالم دوسروں پر کئے گئے مظالم سے فرق رکھتے ہیں اسی لئے یوسف (ع) کا نام لیا جاتا ہے دوسروں کا ذکر بھی نہیں ہوتا)

8۔ عزیزوں کے فراق میں غم واندوہ، آہ و بکا اور نوحہ و ماتم جائز ہے۔(وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ)

آیت85:

(85) قَالُوا تَاللهِ تَفْتَأُ تَذْكُرُ يُوسُفَ حَتَّى تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ .

''(یہ دیکھ کر ان کے بیٹے) کہنے لگے آپ تو ہمیشہ یوسف ہی کو یاد کرتے رہئے گا یہاں تک کہ بیمار ہو جائیے گا یا جان دے دیجئے گا''۔

نکات:

''حرض '' اس شخص کو کہتے ہیں جسے عشق یا حزن ، کمزور و ناتواں بنادے۔

پیام:

1۔ ہر یوسف (ع) کو ہمیشہ اپنی یادوں کے فانوس میں سجائے رکھنا چاہیئے (تَفْتَأُ تَذْكُرُ يُوسُفَ) (جیسا کہ اولیائے الٰہی دعائے ندبہ میں یوسف زماں کو آواز دے کر آنسو بہاتے ہیں۔)

2۔ مقدس عشق اور ملکوتی آہیں قابل قدر ہیں۔(تَذْكُرُ يُوسُفَ حَتَّى تَكُونَ حَرَضًا) (اولیائے خدا کی یاد خدا کی یاد ہے [1])

3۔ نفسیاتی اور روحی مسائل جسم پر اثر انداز ہوتے ہیں (حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ) (فراق اور جدائی انسان کے وجود کو توڑ دیتی ہے بلکہ موت کی حد تک پہنچا دیتی ہے چہ جائیکہ اگر کوئی داغ مفارقت اور مصیبت کے پہاڑ اٹھائے ہوئے ہو۔)

4۔ باپ کی محبت عام محبتوں سے جدا ہے۔(تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ)

----

(1) یعقوب (ع) اس سوز و گداز میں ہیں جسے عام افراد سمجھ نہیں سکتے ہیں (مجلس عزا، نوحہ و ماتم پر طنز نہ کیجئے)

آیت 86:

(86)قَالَ إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّى وَحُزْنِى إِلَى االلهِ وَأَعْلَمُ مِنْ االلهِ مَا لاَ تَعْلَمُونَ.

''یعقوب نے کہا: (میں تم سے کچھ نہیں کہتا) میں تو اپنی بے قراری اور رنج کی شکایت خدا ہی سے کرتا ہوں اور خدا کی طرف سے جو باتیں میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے''۔

نکات:

"بـــــث"اس شدید حزن وملال کو کہتے ہیں جس کی شدت کو صاحب غم بیان نہیں کر پاتا۔

قرآن مجید میں ہے کہ حضرت آدم (ع) نے اپنے فعل پر خدا کی بارگاہ میں نالہ و شیون کیا(ربنا ظلمنا انفسنا)[1] حضرت ایوب

(ع) نے اپنی بیماری پر خدا سے فریاد کی (مسّنی الضر)[2] حضرت موسی (ع) نے فقر و ناداری کی شکایت کی (رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر)[3] اور حضرت یعقوب (ع) نے فراق فرزند میں آنسو بہائے (انما اشکو بثی و حزنی)

پیام:

1۔ توحید پرست انسان، اپنا درد فقط خدا سے کہتا ہے (إِنَّمَا أَشْكُو... إِلَى اللهِ)

2۔ جو چیز مذموم ہے وہ یا تو خاموشی ہے جو انسان کے قلب و اعضاء پر حملہ آور ہوتی ہے اور انسان کی سلامتی خطرے میں پڑ جاتی ہے یا وہ نالہ و شیون ہے جو انسان کے

----

(1) سورہ اعراف آیت 23.

(2) انبیاء آیت 83.

(3) سورہ قصص آیت 24.

سامنے کیا جاتا ہے جس سے انسان کی قدر و منزلت میں کمی آجاتی ہے لیکن خدا سے شکایت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (أَشْكُو... إِلَى اللهِ)

3۔ خدا سے گفتگو کرنے میں ایک لذت ہے جسے عام لوگ نہیں سمجھ سکتے ہیں۔(أَشْكُو بَثِّي إِلَى اللهِ ...مَا لاَ تَعْلَمُونَ.)[1]

4۔ ظاہر بین افراد، حوادث کے سامنے سے بڑی آسانی سے گزر جاتے ہیں اور اس سے کچھ حاصل نہیں کرپاتے ہیں، لیکن حقیقت بین افراد حادثات کے آثار کا تا قیامت مشاہدہ کرتے ہیں۔(أَعْلَمُ مِنْ اللهِ ...)

5۔ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی، فراق کے خاتمہ کی مدت، نیز خداوند عالم اور اس کی صفات

سے آگاہ تھے لیکن یہ امور دوسروں پر مخفی تھے۔(اعْلَمُ مِنْ اللهِ مَا لاَ تَعْلَمُونَ)

----

(1)ایک فارسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

دست حاجت چوں.بری نزد خداوند.بر

کہ کریم است ورحیم است وغفور است وودود

نعمتش نامتناہی کرمش بی پایاں

ھیچ خوانندہ ازاین درنرود بی مقصود

آیت 87:

(87)يَابَنِـيَّ اذْهَبُـوا فَتَحَسَّسُـوا مِـنْ يُوسُـفَ وَأَخِيـهِ وَلاَ تَيْئَسُـوا مِـنْ رَوْحِ اللهِ إِنَّـهُ لاَ يَايْـئَسُ مِـنْ رَوْحِ اللهِ إِلاَّ الْقَـوْمُ الكَافِرُونَ.

''اے میرے بیٹو! (ایک بار پھر مصر) ج اور یوسف اور اس کے بھائی کو (جس طرح بنے) تلاش کرو اور خدا کے فیض سے ناامید نہ ہونا کیونکہ خدا کے فیض سے کافروں کے سوا اور کوئی ناامید نہیں ہوا کرتا''۔

نکات:

کسی چیز کے بارے میں حواس کے ذریعہ جستجو کرنے کو "تحسس" کہتے ہیں، "تحسس" کسی کی اچھائی کے سلسلے میں جستجو

کو کہتے ہیں لیکن کسی کی برائی کے کھوج اور تلاش میں لگنے کو "تجسس" کہتے ہیں۔

راغب اصفہانی کے بیان کے مطابق ''رَوح اور رُوح'' دونوں جان کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں لیکن روح، فرج، گشائش اور رحمت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے گویا مشکلات کا حل ہونا، انسان میں ایک تازہ اور نئی جان ڈال دیتا ہے، تفسیر تبیان میں ہے کہ رَوح کا مادہ ریح ہے جس طرح انسان ہوا کے جھونکوں سے سکون و اطمینان محسوس کرتا ہے اسی طرح رحمت الٰہی سے بھی شادمان ہوتا ہے۔

پیام:

1۔ باپ کو اپنے بچوں سے دائمی طور پر قطع تعلق نہیں کرنا چاہیئے۔(فتولی عنهم ... یابنی)

2۔ معرفت و شناخت کے لئے کوشش ضروری ہے۔(اذْهَبُـــوا فَتَحَسَّسُو)

3۔ لطف الٰہی تک پہنچنے میں سستی و کاہلی مانع ہے(اذْهَبُوا ، وَلاَ تَيْئَسُو)[1]

4۔ اولیائے خدا بھی مایوس نہیں ہوتے اور دوسروں کو بھی ناامیدی کی راہ سے دور رکھتے ہیں(لاَ تَيْئَسُو)

5۔ ناامیدی ، کفر کی علامت ہے کیونکہ مایوس ہونے والا اپنے اندر یہی محسوس کرتا ہے کہ خدا کی قدرت ختم ہوگئ (لاَ يَيْئَسُ...إِلاَّ الْقَوْمُ الكَافِرُونَ)

آیت 88:

(88) فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَاأَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَ مُزْجَ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ اللهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِينَ .

'' پھر جب یہ لوگ (تیسری بار) یوسف کے پاس گئے تو (بہت گڑگڑا کر) عرض کی: اے عزیز مصر! ہم کو اور ہمارے (سارے) کنبہ کو قحط کی وجہ سے بڑی تکلیف ہو رہی ہے اور ہم کچھ تھوڑی سی پونجی لے کر آئے ہیں تو ہم کو (اس کے عوض) پورا غلہ دلوا دیجئے اور (قیمت ہی پر نہیں) ہمیں (اپنا) صدقہ خیرات دیجئے اس میں تو کوئی شک نہیں کہ خدا صدقہ و خیرات دینے والوں کو جزائے خیر دیتا ہے۔

----

(1)روایات سے ثابت ہے کہ رحمت خداوندی سے مایوسی گناہ کبیرہ ہے (من لایحضرہ الفقیہ باب معرف الکبائر)

نکات:

"بضـــاعت" اس مال کو کہتے ہیں جس پر قیمت کا عنوان صادق آتا ہو ''مزج'' کا مادہ ''ازجاء '' ہے جس کے معنی ''دور کرنے'' کے ہیں کیونکہ بیچنے والے کم قیمت دیتے ہیں اس لئے ''بضاعت مزج'' کہتے ہیں۔

بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ " تصـدق علینـا" سے مراد یہ ہے کہ آپ بنیامین کو لوٹا دیجئے۔

روایت میں ہے کہ حضرت یعقوب (ع) نے حضرت یوسف (ع) کے نام ایک خط لکھا تھا جس میں ان کی جلالت قدر کو بیان فرمایا تھا۔ کنعان کی خشک سالی کا ذکر تھا اور بنیامین کی آزادی کی درخواست تھی آپ (ع) نے لکھا تھا کہ ''اب ہم پر رحم کرو اور احسان کرکے اسے رہائی دیدو اور اسے چوری کے الزام سے بری

کردو '' اس خط کو آپ نے اپنے بیٹوں کے ہمراہ حضرت یوسف (ع) کی خدمت میں روانہ کیا تھا، جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کے سامنے اس خط کو کھول کر پڑھا اس کا بوسہ لیا آنکھوں سے لگایا اور آنسوں کی بارش ہونے لگی جن کے قطرات آپ کے لباس پر گرنے لگے۔ برادران جو ابھی تک حضرت یوسف (ع) کو نہیں پہنچانتے تھے تعجب کرنے لگے کہ یہ ہمارے باپ کا اتنا احترام کیوں کررہے ہیں۔ آہستہ آہستہ ان کے دلوں میں امیدوں کی کرن پھوٹنے لگی جب حضرت یوسف علیہ السلام کو ہنستے ہوئے دیکھا تو سوچنے لگے کہ کہیں یہی یوسف (ع) نہ ہوں [1]

----

(1) تفسیر نمونہ.

پیام:

1۔ حضرت یعقوب کو یوسف (ع) کی تلاش ہے۔(فَتَحَسَّسُوا مِنْ يُوسُفَ) لیکن بھائیوں کو گیہوں کی پڑی ہے۔(فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ)

2۔ رسوا کرنے والے ایک دن خود رسوا ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو کل کہہ رہے تھے (نحن عصب) ہم طاقتور ہیں (سرق اخ له من قبل) اس سے پہلے اس کے بھائی نے چوری کی ہے۔(انا ابانا لفی ضلال) ہمارے بابا گمراہی میں پڑ گئے ہیں۔آج نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ذلیل و رسوا ہو کر خود کہہ رہے ہیں۔(مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرّ)

3۔ حمایت اور مدد حاصل کرنے کے کچھ خاص طریقے ہیں۔

جس نے حمایت و مدد کی ہے اس کی تعریف و تمجید کی جائے۔ (يَاأَيُّهَا الْعَزِيز)

اپنی نیاز مندی کے حال واحوال بیان کئے جائیں (مَسَّـــنَا وَأَهْلَنَـــا الضُّرّ)

مالی فقر کا تذکرہ ہو۔ (بِضَاعَ مُزْجَ)

مدد کے لئے کوئی سبب و علت ایجاد کرنا (وَتَصَـــدَّقْ عَلَيْنَـــا إِنَّ اللهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِينَ)

4۔ فقر و محتاجی انسان کو ذلیل کردیتی ہے۔ (مَسَّـــنَا وَأَهْلَنَـــا الضُّرّ)

بقول فارسی شاعر:

آنچہ شیران را کند روبہ مزاج

احتیاج است احتیاج است احتیاج

آیت 89:

(89) قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ .

''(اب تو یوسف سے نہ رہا گیا) کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ جب تم نادان تھے تو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا؟''

نکات:

ایک سوال میں ممکن ہے کہ مختلف مقاصد و اہداف پوشیدہ ہوں ، مثبت اور تعمیری اہداف یا منفی اور اذیت کنندہ مقاصد۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ سوال : تمہیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور ان کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

1۔ شاید اس لئے ہو کہ مجھے سب کچھ معلوم ہے۔

2۔ ممکن ہے کہ سوال کا مقصد یہ ہو کہ تم نے بہت برا کام کیا ہے لہٰذا توبہ کرو۔

3۔ ممکن ہے بنیامین کی تسلی خاطر مد نظر ہو جو وہاں موجود تھے

۔

4۔ ممکن ہے کہ ان کی سرزنش اور ملامت مد نظر ہو۔

5۔ یا اپنی عزت آشکار کرنا مقصود ہو۔

6۔ یا اس بات کی سرزنش کر رہے ہوں کہ تم کو اتنے مظالم کے بعد صدقہ و خیرات کی امید کیسے ہو گئی ؟ مذکورہ اہداف و مقاصد میں سے پہلے تین اہداف حضرت یوسف علیہ السلام کے اہداف سے مطابقت رکھتے ہیں لیکن بقیہ موارد یوسفی کرامت اور جواں مردی (جسے آئندہ آیتیں واضح کریں گی) کے خلاف ہےں (آپ (ع) نے بادشاہت کے رتبہ پر پہنچنے کے بعد چوری کا الزام سنا) ،

آپ کو چور کہا گیا لیکن آپ (ع) نے کچھ نہ کہا اور آخر کار اپنے
بھائیوں سے کہہ دیا (لا تثریب علیکم الیوم)

جہالت فقط نادانی کا نام نہیں ہے بلکہ ہوا و ہوس کا غلبہ بھی ایک
قسم کی جہالت ہے۔ گناہگار انسان چاہے جتنا بڑا عالم ہو جاہل ہے
کیونکہ وہ متوجہ نہیں ہے کہ جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ خرید رہا ہے۔

پیام:

1۔ جواں مردی یہ ہے کہ جرم کی جزئیات کو بیان نہ کیا جائے۔ (مَا فَعَلْتُمْ)

2۔ جوان مردی یہ ہے کہ (اشاروں میں) خطاکار کو عذر خواہی کا راستہ دکھایا جائے۔(إِذْ أَنْتُمْ جاهِلُون)

آیت 90:

(90) قَالُوا أَإِنَّکَ لَأَنْتَ یُوسُفُ قَالَ أَنَا یُوسُفُ وَهذَا أَخِی قَدْ مَنَّ اللهُ عَلَیْنَا إِنَّهُ مَنْ یَتَّقِ وَیَصْبِرْ فَإِنَّ اللهَ لاَ یُضِیعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِینَ .

''(اس پر وہ لوگ چونکے اور) کہنے لگے (ہائیں) کیا تم ہی یوسف ہو ؟ یوسف نے کہا: ہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے

، بے شک خدا نے مجھ پر احسان کیا ہے کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص (اس سے) ڈرتا ہے اور (مصیبت میں) صبر کرتا ہے تو خدا ہر گز (ایسے) نیکوکاروں کا اجر برباد نہیں کرتا''۔ نکات: زمانہ جتنا گزرتا جارہا تھا برادران اتنا ہی تعجب کی شدت سے مبہوت ہوئے جارہے تھے کہ عزیز مصر ہمارے بابا کے خط کو دیکھ کر کیوں رو رہے ہیں؟ عزیز کو ماجرائے یوسف (ع) کا علم کہاں سے ہو گیا! غور سے دیکھا جائے تو اس کا چہرہ بالکل یوسف (ع) سے ملتا جلتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہی یوسف (ع) ہو؟ بہتر ہے کہ انہی سے پوچھ لیں اگر یہ یوسف (ع) نہ ہوئے تو کوئی ہمیں دیوانہ نہیں کہے گا لیکن اگر یہ یوسف (ع) ہوئے تو شرمندگی کی پھٹکار کا کیا ہوگا؟ اس فکر نے بھائیوں کے وجود میں ہیجان برپا کر دیا کہ ہم کیا کریں؟ اسی ادھیڑ بن میں یکایک اس سوال سے سکوت کا طلسم ٹوٹا: أَإِنَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ۔ کیا آپ ہی

یوسف (ع) ہیں اس طلسم کے ٹوٹنے کے بعد کا سماں کیسا تھا وہاں کا ماحول کیا تھا آیا کسی نقاش میں اتنی صلاحیت ہے کہ اس کا نقشہ کھینچ سکے ؟ آیا شرمندگی و خوشی ، گریہ و محبت اور آغوش پھیلا کر سمیٹ لینا ان تمام دل کش اور روح فرسا مناظر کی تصویر کشی ہو سکتی ہے ؟ اسے تو بس خدا ہی جانتا ہے اور کوئی نہیں ۔

ایسا ماحول فراہم کر دیا جائے کہ لوگ خود سوال کرنے لگیں۔
رشد وتربیت کے لئے جوش و ولولہ کو بلند کرنا چاہئے ۔ بھائیوں کے لحظہ بہ لحظہ جذبۂ جستجو اور سوال میں زیادتی ہو رہی تھی۔ اپنے آپ سے کہہ رہے تھے ۔ انہیں اصرار کیوں تھا کہ ہم بنیامین کو اپنے ساتھ لائیں؟ پیمانہ ہمارے ہی غلے میں کیوں ملا؟ پہلی مرتبہ ہمارا پیسہ کیوں لوٹا دیا گیا یوسف (ع) کے قصہ سے یہ کیسے باخبر ہوگئے ؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ اب ہمیں غلہ نہ دیں ؟جب یہ تمام ہیجانات ذہن پر اثر انداز ہوئے ، جب روح بلبلا اٹھی ، ذہن کی نسیں پھٹنے لگیں تو یکایک سوال کر دیا: کیا آپ (ع) ہی یوسف ہیں ؟جواب دیا: ہاں!

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا در حقیقت حضرت قائم علیہ السلام کے سلسلے میں حضرت یوسف (ع) کی سنت ہے لوگ

ان کو نہیں پہچانیں گے مگر جب خداوند عالم انہیں اجازت دے گا تو وہ خود کو پہچنوائیں گے [1]

پیام:

1۔ گزرتے وقت اور تلخ و شیریں حوادث سے روابط اور شناسائی میں تبدیلی آتی

ہے۔(أَاِنَّکَ أَنْتَ یُوسُف)

2۔ عوام کے احسانات تلخ ہیں لیکن احسانات الٰہی شیریں ہیں۔(مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْنَ)

3۔ اولیائے الٰہی تمام نعمتوں کا مصدر و منبع خداوند عالم کو جانتے ہیں۔(مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْنَ)

4۔ لطف خداوندی، حکیمانہ اور معیار کے مطابق ہوتا ہے(مَــنْ یَتَّقِ وَیَصْبِرْ فَإِنَّ اللّٰہَ ...)

----

(1) بحار الانوار ج 12 ص 283.

5۔ جو عہدہ داری اور حکومت کا اہل ہوتا ہے اسے حوادث ، حسادت ، شہوت ، ذلت ، قید خانہ، اور پروپیگنڈے جیسے امتحانات کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔(مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ...)

6۔ خطرناک اور حساس ترین اوقات سے تبلیغ کے لئے استفادہ کرنا چاہیئے۔ جب بھائیوں کو اپنے کیئے پر شرمندگی کا پورا احساس ہوگیا اور وہ دریائے شرم میں ڈوبنے لگے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی تمام باتوں کو بغور سننے کے لئے آمادہ ہوگئے تب آپ (ع) نے فرمایا:(مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ...)

7۔ صبر اور تقوی عزت کا پیش خیمہ ہیں(مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللهَ لاَ يُضِيعُ...)

8۔ صالحین کی حکومت ،خدا کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے(لاَ يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ)

آیت 91:

(91) قَالُوا تَاللهِ لَقَدْ آثَرَکَ اللهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخَاطِئِينَ .

''وہ لوگ کہنے لگے خدا کی قسم آپ کو خدا نے ہم پر فضیلت دی ہے اور بے شک ہم ہی (سرتاپا) خطاکار تھے''۔

نکات:

ایثار یعنی دوسروں کو خود پر برتری دینا ۔ یوسف (ع) کے بھائیوں نے اپنی کج فکری (نحن عصب) کی بنیاد پراتنا بڑا غلط کام انجام دیا کہ کہنے لگے اسے کنویں میں پھینک دو، ''القوہ فی غیابت الجب'' خداوندعالم نے ان کو ایسے مقام پر پہنچا دیا کہ اپنا پیٹ بھرنے کے لئے گدائی پر مجبور ہوگئے (مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّر)

آخر کار اعتراف پر مجبور ہوگئے کہ ہماری ساری سازشوں پر پانی پھر گیا" کُنَّا خَاطِئِینَ " بالاآخر انہوں نے اپنے غلط تفکر کے بجائے ایک حقیقت کو قبول کرلیا" لَقَدْ آثَرَکَ اﷲُ عَلَیْنَا"

برادران یوسف (ع) نے تاللہ کہہ کر چند بار قسم کھائی ہے۔(تَااللہِ لقد علمتم ما جئنا لنفسد فی الارض)خدا کی قسم آپ خود جانتے ہیں کہ ہم فساد اور چوری کے لئے آپ کی سرزمین پر نہیں آئے ہیں۔

(تَااللہِ تفتـ تـذکر یوسـف)اللہ کی قسم آپ تو ہمیشہ یوسف یوسف کرتے رہتے ہیں۔(تَااللہِ انک لفی ضلالک القدیم)خدا کی قسم باباجان آپ تو یوسف کی محبت میں گمراہ ہوکر اپنی پرانی گمراہی میں پڑے ہیں۔

(تَاللهِ لَقَــدْ آثَــرَکَ عَلَیْنَــا) خدا کی قسم اللہ نے تمھیں ہم پر فضیلت دی ہے۔

پیام:

1۔ اگر حسد و بغض کی بنیاد پر ہم کسی کی فضیلت کا اعتراف نہیں کریں گے تو ذلت و خواری کے ساتھ اس کا اقرار کرنا پڑے گا۔ (لَقَدْ آثَرَکَ اللهُ عَلَیْنَ)

2۔ خدا کے ارادے کے مقابلے میں کوئی ٹھہر نہیں سکتا ہے۔[1] (آثَرَکَ اللهُ عَلَیْنَ)

3۔ خطا و غلطی کا اعتراف، عفو و بخشش کی راہیں ہموار کرتا ہے۔ (إِنْ کُنَّا لَخَاطِئِینَ)

----

(1) فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے

وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

آیت 92:

(92)قَالَ لاَ تَثْرِيبَ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ .

''یوسف نے کہا: آج تم پر کوئی عقاب نہیں ہوگا خدا تمہارے گناہ معاف فرمائے وہ توسب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے''۔

نکات:

''تثریب'' کے معنی توبیخ ،گناہ گنوانااور زیادہ ملامت کرنا ہے ۔فتح مکہ کے موقع پر مشرکین نے کعبہ میں پناہ لی تھی۔ عمر نے کہا: ہم توانتقام لے کر رہیں گے۔ پیغمبر (ص) نے فرمایا: آج کا دن ،رحمت کا دن ہے، پھر مشرکین سے پوچھا: آج تم لوگ میرے بارے میں کیا گمان رکھتے ہو؟ان لوگوں نے جواب دیا: بہتری !

آپ (ع) ہمارے کریم بھائی ہیں ۔ اس وقت پیغمبر اسلام (ص) نے فرمایا : آج میں وہی کہوں گا جو حضرت یوسف علیہ السلام کا کلام تھا۔(لَا تَثْرِیبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ) عمرنے کہا : میں اپنی بات پر شرمندہ ہو گیا۔[1]

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا : اذا قــدرتَ علــی عــدوّک فاجعل العفو عنه شکر القدر علیهجب تم اپنے دشمن پر قابو پالو تواس کا شکراس کی بخشش قرار دو[2]

حدیث میں وارد ہوا ہے : جوان کا دل نرم ہوتا ہے پھر معصوم نے اسی آیۂ شریفہ کی تلاوت فرمائی :، فرمایا : یوسف چونکہ جوان تھے اس لئے بھائیوں کو فوراًبخش دیا[3]

----

(1) تفسیر قرطبیؒ .

(2) نہج البلاغہ کلمات قصار 11 .

(3) بحارالانوار ج 12 ص 280.

پیام:

1۔ کشادہ قلبی، ریاست وحکومت کا سبب ہے۔(لَا تَثْرِيـــب عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ)

2۔ جواں مردی حضرت یوسف سے سیکھنا چاہیئے جنھوں نے اپنا حق بھی معاف کردیا اور خداوندعالم سے بھی عفو و درگزر کی درخواست کی۔(لَاتَثْرِيبَ عَلَيْكُمْ ... يَغْفِرُ اللّٰهُ)

3۔ لوگوں کی خطں کو فوراً معاف کردینا چاہیئے۔(الْيَوْمَ)

4۔ جیسے ہی برائی کرنے والا غلطی کا اعتراف کرلے اسے فوراً قبول کرلینا چاہیئے اسے زیادہ شرمندہ نہیں کرنا چاہیئے۔(إِنْ كُنَّـا لَخَاطِئِينَ قَالَ لَاتَثْرِيبَ ...)

5۔ عفو و درگزر کا اعلان کردینا چاہیئے تاکہ دوسرے افراد بھی سرزنش نہ کریں (لَاتَثْرِيبَ عَلَيْكُم)

6۔ بھرپور عزت و قدرت کے وقت عفو و درگزر کرنا، اولیائے الٰہی کی سیرت رہی ہے (لَاتَثْرِيبَ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ)

7۔ خداوند عالم کی بخشش ان لوگوں کے بھی شامل حال ہوتی ہے جنہوں نے سالہاسال خدا کے دو پیغمبروں (یعقوب (ع) و یوسف (ع)) کو اذیت پہنچائی تھی۔ (هُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ)

8۔ جب بندہ معاف کر رہا ہے تو "ارحم الراحمین" خدا سے بخشش کے علاوہ کیا امید رکھی جا سکتی ہے (يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ)

9۔ شرمندہ افراد کو معاف کر دینا الٰہی سنت ہے (یغفر۔ صیغہ مضارع ہے جو استمرار پر دلالت کرتا ہے)

10۔ مظلومین کا ظالموں کو معاف کر دینا رحمت الٰہی کے شامل حال ہونے کا پیش خیمہ ہے لیکن ایسے افراد کو معاف کر دیا جانا مغفرت و رحمت الٰہی پر موقوف ہے۔ (لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ .)

11۔ خداوندعالم کو صفت مغفرت و رحمت (مانند ارحم الراحمین) سے یاد کرنا، دعاواستغفار کے آداب میں سے ہے۔

آیت 93:

(93) اذْهَبُوا بِقَمِيصِی هَـذَا فَـأَلْقُوهُ عَلَى وَجْـهِ أَبِـىْ يَأْتِ بَصِيرًا وَأْتُونِى بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ

''یہ میرا کرتا لے ج اور اس کو ابا جان کے چہرہ پر ڈال دینا کہ وہ پھر بینا ہو جائیں گے اور تم لوگ اپنے سب اہل و عیال کو لے کر میرے پاس آج''۔

نکات:

حضرت یوسف علیہ السلام کی داستان میں آپ (ع) کے کرتے کا تذکرہ مختلف مقامات پر ملتا ہے۔

(الف) (و جا علی قمیصہ بدم کذب) بھائیوں نے جناب یوسف (ع) کے کرتے کو جھوٹے خون سے آغشتہ کردیا اور اسے باپ کے پاس لے گئے کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا۔

(ب) (قدّ قمیصه من دبر) پیچھے سے پھٹا ہوا کرتا جرم اور مجرم کے کشف کا سبب بنا۔

(ج) (اذْهَبُوا بِقَمِيصِی) کرتا نابینا یعقوب (ع) کے لئے شفا کا سبب بنا۔

اگر ایک کرتا یوسف (ع) کے ہمراہ رہنے کی بنیاد پر نابینا کو بینا بنا دیتا ہے تو مرقد و صحن اس کے در و دیوار اور کپڑے بلکہ ہر وہ چیز جو اولیائے الٰہی کے جوار میں ہے وہ تبرک ہے اور اس سے شفا کی امید ہے۔

یہ مرحلہ تو حل ہوگیا جس میں بھائیوں نے جناب یوسف (ع) کو پہچان لیا، عذر خواہی کرلی اور حضرت یوسف علیہ السلام

نے بخش بھی دیا۔ لیکن ابھی دوسرا مرحلہ باقی ہے ابھی بھائیوں کے ظلم کے آثار باپ کی نابینائی کی شکل میں آشکار ہیں۔لہٰذا اسی مشکل کو یوسفی تدبیر نے اس آیت میں حل کیا۔ روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: میرا کرتا لے کر بابا کے پاس وہی جائے جو میرا خون بھرا کرتا لے گےا تھا تاکہ جس طرح بابا کو آزردہ خاطر کیا تھا اسی طرح ان کا دل شاد کرے۔

روایتوں میں آیا ہے کہ اس عذر خواہی وغیرہ کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام ہر روز و شب اپنے بھائیوں کے ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے جس کی وجہ سے (حضرت یوسف (ع) کا سامنا کرنا پڑتا اور) بھائیوں کو شدید شرمندگی کا احساس ہوتا لہٰذا ان لوگوں نے پیغام بھیجا کہ ہمارا کھانا الگ لگایا جائے کیونکہ آپ (ع) کا چہرہ دیکھ کر ہم بے حد شرمندہ ہوتے ہیں اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب دیا: لیکن میرے لئے یہ باعث افتخار ہے کہ میں آپ لوگوں کے ساتھ رہوں اور ایک ساتھ کھانا تناول کروں۔ دنیا جب مجھے دیکھتی تھی تو یہ کہتی تھی: ''سبحان من بلغ عبدا بیع بعشرین درھما ما بلغ''خدا کی شان تو دیکھو کہ بیس درہم میں بکنے والا غلام آج کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ لیکن آج آپ لوگوں کا وجود میرے لئے عزت کا سبب ہے ان لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ

میں غلام اور بے حسب و نسب نہیں ہوں بلکہ آپ جیسے ہمارے بھائی اور حضرت یعقوب (ع) جیسے ہمارے بابا ہیں، یہ الگ بات ہے کہ میں غریب الوطن ہوگیا تھا (اللہ اکبر یہ جواں مردی، یہ حلم وبردباری)

ظاہم واقعہ : منقول ہے کہ جب حضرت آی اللہ العظمٰی شیخ عبدالکریم حائری یزدی اعلی اللہ مقامہ (حوزہ علمیہ قم کے مسس) نے علاج کے لئے اراک سے تہران کی سمت حرکت فرمائی تو درمیان راہ ایک شب قم میں ٹھہرے وہاں لوگوں نے تقاضا کیا کہ حوزہ علمیہ اراک کو قم منتقل کردیجئے کیونکہ قم حرم اہلبیت اور حضرت معصومہ ☆ کا مدفن ہے۔ آپ نے استخارہ کیا تو یہ آیت برآمد ہوئی(وَأْتُونِی بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ)

پیام:

1۔ جو چیزیں اولیائے الٰہی سے مربوط ہیں ان سے برکت حاصل کرنا جائز ہے۔(اذْهَبُـــوا بِقَمِيصِـــی)(یوسفی کرتا نابینا کو بینا بنا دیتا ہے)

2۔ جو ہوا و ہوس کا مقابلہ کرتا ہے اس کا لباس بھی مقدسات میں شمار ہو جاتا ہے(بِقَمِيصِی)

3۔ غم اور خوشی آنکھوں کی روشنی میں موثر ہیں۔(وابيضـــت عيناه من الحزن... يَأْتِ بَصِيرًا)شاید اسی وجہ سے ہونہار فرزند کو"قـر عـين "اور خنکی چشم کہا جاتا ہے (یہ اس صورت میں ہے جب اس واقعہ کے معجزاتی پہلو کو مدنظر نہ رکھا جائے)

4۔ معجزہ اور کرامت میں سن و سال کی قید نہیں ہے (بیٹے کا کرتا باپ کی آنکھوں کی بینائی کا باعث بنتا ہے)

5۔ حضرت یوسف علیہ السلام عالم علم غیب تھے وگرنہ انہیں کہاں سے معلوم ہوگیا کہ یہ کرتا باپ کو بینائی عطا کردے گا(يَأْتِ بَصِيرًا)

6۔ صاحب قدرت فرزندوں کو اپنے کمزور رشتہ داروں خصوصاً بوڑھے ماں باپ کو اپنے ساتھ رکھنا چاہیئے۔(وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ)

7۔ معاشرتی حالات ، فریضہ کی انجام دہی میں موثر ہیں (وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ)(جناب یوسف (ع) کا ایسے حالات میں صلہ رحم ایسا تھا کہ رشتہ داروں کو مصر آنا ہی پڑا)

8۔ تمام افراد کے حقوق کا لحاظ رکھتے ہوئے رشتہ داروں کا خیال رکھنا لازم ہے۔(أْتُونِي بِأَهْلِكُمْ)

9۔ گھر کا بدل دینا اور ہجرت کرنا بہت سارے آثار کا حامل ہے مثلاً غم انگیز یادیں خوشیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ (وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ)

10۔ جن لوگوں نے فراق اور جدائی کی مصیبت اٹھائی ہے ان کی آسائش کی فکر کرنا چاہیئے۔ (أَجْمَعِينَ) اب حضرت یعقوب (ع) مزید فراق کی تاب نہیں رکھتے۔

11۔ بہترین لطف وہ ہے جو سب کے شامل حال ہو۔ (أَجْمَعِينَ)

آیت 94:

(94) وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّى لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ تُفَنِّدُونِ.

''اور جوں ہی یہ قافلہ (مصر سے حضرت یعقوب کے شہر کنعان کی طرف) چلا تو ان لوگوں کے والد (یعقوب) نے کہہ دیا کہ اگر مجھ کو سیٹھایا ہوا نہ کہو تو (ایک بات کہوں کہ) مجھے یوسف کی بو معلوم ہو رہی ہے''۔

نکات:

" فَصَلَتْ " یعنی دور ہو گئے۔ فَصَلَتِ الْعِيرُ۔ یعنی کارواں، مصر سے دور ہو گیا۔ " تُفَنِّــــدُون " کا مادہ (فند) سٹھیانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

جناب یعقوب (ع) کواس کی فکر تھی کہ کہیں کوئی یہ نہ کہہ دے کہ ان کی عقل جواب دے گئی ہے۔ لیکن ہائے افسوس پیغمبر اسلام (ص) کے ارد گرد رہنے والے بعض صحابیوں نے پیغمبر (ص) کو اس نسبت سے منسوب کردیا یہ اس وقت ہوا جب بوقت رحلت آپ (ص) نے فرمایا: قلم و کاغذ لے تاکہ ایسی چیز لکھ دوں کہ اگر اس پر عمل کروگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے اس وقت تاریخ کی ایک طویل القامت شخصیت نے کہا: ان الرجل لیھجر۔ یہ مرد ہذیان بک رہاہے۔ اسکے بعدآنخضرت (ص) کوکچھ لکھنے نہ دیا۔

انی لاجد ریح یوسف۔ کوئی مشکل نہیں ہے۔ کیونکہ جس طرح انبیاء (ع) وحی کو درک کرتے ہیں لیکن ہم درک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اسی طرح بقیہ امور میں بھی ممکن ہے کہ ایسی چیزوں کو درک کرلیں جو ہماری عقول سے بالاتر ہیں۔ کیا پیغمبر اسلام (ص) نے جنگ خندق میں خندق کھودتے ہوئے

کدال اور پتھر سے مل کر نکلتی ہوئی چنگاری کو دیکھ کر نہیں فرمایا کہ میں نے اس چنگاری میں بڑے بڑوں کو خاک چاٹتے ہوئے دیکھ لیا؟ لیکن جو ضعیف الایمان تھے وہ کہنے لگے پیغمبر (ص) تو اپنی جان کے خوف سے اردگرد خندق کھود رہے ہیں لیکن آنحضرت (ص) نے کدال کی ہر ضرب پر ایک حکومت کی شکست اور فتح کا وعدہ دے دیا۔

شرح نہج البلاغہ آی اللہ خوئی قدس سرہ میں ہے کہ امام کے لئے ایک نوری ستون ہے جب خدا چاہتا ہے تو امام اس پر نگاہ کرنے کی وجہ سے آئندہ کو دیکھ لیتا ہے اور کبھی ایک عام آدمی کی طرح ہوتا ہے [1] ایک فارسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے :

زمصر بوی پیراہن شنیدی
چرا در چاہ کنعانش ندیدی۔

مصر سے تو (حضرت یعقوب (ع)) کو کرتے کی خوشبو آ گئ مگر کنعان کے کنویں میں حضرت یوسف (ع) کو آپ نہ دیکھ سکے .

بگفت احوال ما برق جہان است
گہی پیدا و دیگر دم نہان است

انھوں نے کہا: ہمارا حال آسمانی بجلی کی مانند ہے کبھی روشن اور کبھی پنہان ہو جاتی ہے.

گہی بر طارم اعلی نشینم
گہی تا پشت پای خود نبینم

(حکمت خدا کے تحت) کبھی ہم لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے ہیں اور کبھی اپنے پیں کے نیچے پڑی چیز سے بھی بے خبر ہوتے ہیں ممکن ہے کہ خوشبوئے یوسف (ع) سے مراد جناب یوسف (ع) کے بارے میں کوئی نئ خبر ہو یہ

----

(1) تفسیر نمونہ.

مسئلہ آج کی ترقی یافتہ دنیا میں بنام(telepathy) (یعنی انتقال فکر یا ارتباط معنوی و فکری) مشہور و معروف ہے اور '' مسلّم علمی مسئلہ ''کے عنوان سے قبول شدہ ہے ۔ یعنی جو لوگ ایک دوسرے سے نزدیکی تعلق رکھتے ہیں یا ایک خاص قسم کی روحی قدرت سے سرشار ہیں جیسے ہی دنیا کے کسی گوشے میں کسی شخص پر کوئی مصیبت آتی ہے وہ دوسری جگہ اس سے مطلع ہو جاتے ہیں[1]

ایک شخص نے امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا : کبھی کبھی میرا دل کسی سبب کے بغیر غمناک ہو جاتا ہے اور وہ بھی اس حد تک کہ دوسرے سمجھ لیتے ہیں ۔ امام علیہ السلام نے فرمایا : مسلمین خلقت میں ایک حقیقت وطینت سے ہیں جیسے ہی کوئی تلخ

حادثہ کسی پر رونما ہوتا ہے دوسرا شخص دوسری زمین پر غمناک ہو جاتا ہے۔

اگر حضرت یوسف (ع) کی خوشبو کے سونگھنے کا تعلق صرف '' قوت شامہ '' سے ہے تو یہ ایک معجزہ اور خارق عادت واقعہ ہے کہ حضرت یعقوب (ع) اتنے طویل فاصلے پر حضرت یوسف (ع) کی خوشبو کو محسوس کر لیتے ہیں۔

آپ بیتی: جس وقت عراق نے ایران پر حملہ کیا تھا اور امام خمینی (رح) کے فرمان پر پوری قوم غربی و جنوبی محاذ پر موجود اور حاضر تھی میں بھی شہید آی اللہ اشرفی کے ہمراہ جو 90/ نوے سال کے تھے، عملیات '' مسلم بن عقیل '' میں موجود تھا۔ انہوں نے بارہا حملے کی رات مجھ سے کہا: میں بہشت کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں ۔ لیکن میں نے اپنی تمام تر کوششوں

----

(1) تفسیر نمونہ.

کے باوجود کوئی خوشبو محسوس نہ کی ۔ ہاں کیوں نہ ہو جس نے نوے سال علم و تقوی و زہد میں اپنی زندگی گزاری ہو وہ اتنی قدرت رکھتا ہے کہ وہ ایسی چیزوں کا احساس کرے جس سے دوسرے عاجز ہوں ۔ اسی طرح آپ کی وہ پیشین گوئی کہ میں چوتھا شہید محراب ہوں ،دنیاکے سامنے آشکار ہو گئی[1] بہرحال ممکن ہے کہ بوئے بہشت سے مراد عرفانی خوشبو ہو جیسے مناجات کی شیرینی جو ایک معنوی مزہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ طبیعی خوشبو ہو لیکن ہر مشام اس خوشبو کو محسوس نہیں کرپاتا۔ جیسے فضا میں ریڈیو کی تمام موجیں ہیں لیکن تمام ریڈیو اسے نہیں کھینچ پاتے۔

پیام:

1۔ انسان باطنی صفات کے ذریعہ معنوی حقائق کو درک کر سکتا ہے۔ (انی لاجد ریح یوسف)۔ لیکن درک حقائق محدود ہے ایسا نہیں ہے کہ ہر زمان و مکان میں جو چاہیں درک کرلیں، یہی وجہ ہے کہ یوسف کی خوشبو کو اس وقت محسوس کیا جب کاروان مصر سے دور ہوگیا (فَصَلَتِ الْعِيرُ)

2۔ اگر حقائق کو درک نہیں کر سکتے تو دوسروں کے بلند مقام کا انکار نہیں کرنا چاہیئے۔(لَوْلَا أَنْ تُفَنِّدُونِ)

3۔ نادانوں کے درمیان عالموں کی زندگی بڑی تکلیف دہ ہے (لَوْلَا أَنْ تُفَنِّدُونِ)

----

(1) منافقین نے ایک دوسال کے اندر اندر آیت اللہ مدنی، صدوقی، دستغیب، کو نماز جمعہ یا نماز جمعہ کے راستے میں بم سے شہید کردیا.

آیت 95:

(95) قَالُوا تَااللهِ إِنَّکَ لَفِی ضَلَالِکَ الْقَدِیمِ .

''وہ لوگ کہنے لگے : آپ یقینا اپنے پرانے خبط (محبت) میں (مبتلا) ہیں''۔

نکات:

اس سورہ کی آٹھویں آیت میں ہم نے پڑھا کہ بھائیوں نے باپ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے کہا: (انا ابانا لفی ضلال مبین) ہمارے بابا تو یوسف (ع) اور اس کے بھائی کی بے جا محبت میں آشکارا گمراہی میں پڑ گئے ہیں۔ اس آیت میں کہہ رہے ہیں کہ (ضلالک القدیم) یوسف (ع) کے سلسلے میں اب بھی اسی غلطی پر ڈٹے ہیں۔

عوام الناس، اولیائے الٰہی کو اپنی ناقص عقل کی کسوٹی پر نہ تولیں اور یہ فیصلہ صادر نہ کریں کہ فلاں کام ہو سکتا ہے اور فلاں کام نہیں ہو سکتا۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: الناس اعداء ما جهلوا۔انسان ہر اس چیز کا دشمن ہے جسے نہیں جانتا۔

پیام:

1۔نیک کردار افراد کے افعال کو خود سے قیاس نہ کیجئے (إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ...) (باپ کی طرف گمراہی کی نسبت دینا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ لوگ نبی کو اپنی عقل سے درک کرنا چاہتے تھے
)

2۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اس جدائی کی طولانی مدت میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی سے مطمئن تھے اور اس کا اظہار

بھی فرمایا کرتے تھے اسی وجہ سے آپ کے بیٹوں نے کہا (إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ)

آیت 96:

(96) فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَى وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ.

''پھر یوسف کی خوشخبری دینے والا آیا اور یوسف کے کرتے کو یعقوب کے چہرہ پر ڈال دیا تو یعقوب فوراً بینا ہو گئے (تب یعقوب نے) کہا کیوں میں تم سے نہ کہتا تھا جو باتیں خدا کی طرف سے میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے''۔

نکات:

اگر آنکھ کے سفید ہونے "وابیضت عیناہ" سے مراد بینائی میں کمی واقع ہونا ہے تو "بصیراً" سے مراد آنکھوں کا پر نور ہونا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خوشی اور غم انسان کی قوت باصرہ پر

اثر انداز ہوتے ہیں لیکن اگر مراد مطلق نابینائی ہے یعنی جناب یعقوب (ع) فراق یوسف (ع) میں دیکھنے کی صلاحیت کھو بیٹھے تھے جیساکہ ظاہر آیت "فَارْتَدَّ بَصِيرًا" سے یہی سمجھ میں آتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک معجزہ اورتوسل تھا جس کی طرف قرآن مجید اشارہ کررہاہے۔

دنیا نشیب و فراز سے بھری ہوئی ہے حضرت یوسف (ع) کے بھائیوں نے ایک دن خبر پہنچائی تھی کہ یوسف (ع) کو بھیڑیا کھا گیا اور آج وہی بھائی حضرت یوسف (ع) کے حاکم ہونے کی خبر لا رہے ہیں۔

پیام:

1۔ علم انبیاء (ع) کا سرچشمہ، علم الٰہی ہوتا ہے۔(أَعْلَمُ مِنَ اللهِ ...)

2۔ الٰہی نمائندوں کو خدا کے وعدوں پر یقین و اطمینان ہوتا ہے

۔(أَلَمْ أَقُلْ...)

3۔ حضرت یعقوب (ع) اپنے فرزندوں کے بر عکس حضرت یوسف (ع) کی زندگی اور فراق کے وصال میں تبدیل ہونے پر مطمئن تھے۔(أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ)

4۔ ارادہ الٰہی طبیعی قوانین پر حاکم ہوتا ہے۔(فَارْتَدَّ بَصِيرًا)

5۔ اولیائے الٰہی کا لباس اور ان سے ارتباط باأثر ہو سکتا ہے۔(فَارْتَدَّ بَصِيرًا)

آیت 97:

(97) قَالُوا يَاأَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ .

''ان لوگوں نے عرض کی : اے بابا ہمارے گناہوں کی مغفرت کی (خدا کی بارگاہ میں) ہمارے واسطے دعا مانگئے ہم بے شک از سر تا پا گنہگار ہیں''۔

نکات:

فرزندان حضرت یعقوب (ع) موحد تھے اور اپنے باپ کے والا مقام سے آگاہ تھے (يَاأَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا) بنابریں اپنے باپ کو جو ''گمراہی اور ضلالت '' کی نسبت دی تھی اس کا مقصد عقیدہ میں گمراہی نہ تھا بلکہ ان کے زعم ناقص میں حضرت یعقوب

(ع) حضرت یوسف (ع) کی محبت میں غلط تشخیص کی بنا پر گمراہ تھے۔

ظالم کے تین طرح کے دن ہوتے ہیں:

1۔ قدرت کے روز۔

2۔ مہلت کے روز۔

3۔ ندامت کے روز۔

اسی طرح مظلوم کے بھی تینطرح کے دن ہوتے ہیں:

1۔ ''روز حسرت'' جس دن اس پر ظلم ہوتا ہے۔

2۔ ''روز حیرت'' جس میں وہ کسی تدبیر کی فکر میں ہوتا ہے۔

3۔ ''روز نصرت ومدد'' چاہے وہ دنیا میں ہو یاآخرت میں۔

پیام:

1۔ ظلم، مایہ ذلت و خواری ہے، جس دن بھائیوں نے حضرت یوسف کو کنویں میں ڈالا تھا وہ روز ان کی خوشی اور حضرت یوسف (ع) کی ذلت کا دن تھا۔ لیکن آج معاملہ بر عکس ہے۔

2۔ گناہوں کی بخشش کے لئے اولیائے الٰہی سے توسل جائز ہے۔

(یَاأَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَ)

آیت 98:

(98) قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَکُمْ رَبِّی إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِیمُ

''یعقوب نے کہا میں بہت جلد اپنے پروردگار سے تمہاری مغفرت کی دعا کروں گا بے شک وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے''۔

نکات:

جو کل اپنی غلطیوں کی بنیاد پر اپنے باپ کو(ان ابانا لفی ضلال مبین) کہہ رہے تھے، آج وہی اپنی غلطیوں کی طرف متوجہ ہو کر (إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ) کہہ رہے ہیں۔

پیام:

1۔ باپ کو کینہ توز نہیں ہونا چاہیئے اور بچوں کی لغزشوں کو دل میں نہیں رکھنا چاہیئے۔(استَغْفِرُ لَكُمْ)

2۔ دعا کے لئے خاص اوقات اولویت رکھتے ہیں۔(سَوْف)[1]

3۔ لطف الٰہی، عظیم سے عظیم گناہ اور بڑے بڑے گناہگاروں کے بھی شامل حال ہوتا ہے۔(هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ) حالانکہ سالہا سال دو الٰہی نمائندے اذیت وآزار میں مبتلا رہے لیکن پھر بھی بخشش کی امید ہے۔

4۔ باپ کی دعا فرزندوں کے حق میں انتہائی موثر ہوتی ہے (سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ)[2]

5۔ اگر غلطی کرنے والا غلطی کا اعتراف کرلے تو اس کی ملامت نہیں کرنا چاہیئے جیسے ہی بیٹوں نے کہا(إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ) ہم خطا کار تھے۔ویسے ہی باپ نے کہا(سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ)

----

(1) تفسیر مجمع البیان میں اور اطیب البیان میں موجود ہے کہ حضرت یعقوب شب جمعہ یا سحر کے منتظر تھے تاکہ بچوں کے لئے دعائیں کریں.

(2) اس سلسلے میں بہت ساری روایات موجود ہیں.

آیت 99:

(99) فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ آوَى إِلَيْهِ أَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ

''(غرض) جب یہ لوگ (حضرت یوسف کے والد، والدہ، اور بھائی) یوسف کے پاس پہنچے تو یوسف نے اپنے والدین کو اپنے پاس بٹھایا اور کہا: مصر میں داخل ہو جاییئے اللہ نے چاہا تو امن سے رہیں گے''۔

نکات:

داستان کے اس حصے کو میں کیسے لکھوں میں نہیں جانتا حضرت یوسف (ع) اپنے والدین کے استقبال کے لئے بیرون شہر خیمہ ڈال کر انتظار کی گھڑیاں گزار رہے ہیں تاکہ بڑے ہی عزت و احترام

سے انہیں شہر مصر میں لے جائیں (دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ... ادْخُلُوا مِصْرَ...)

اسی طرح فطری بات ہے کہ ادھر جب حضرت یوسف (ع) کے والدین اور بھائی سفر کی تیاری کررہے ہوں گے تو پورے کنعان میں ہنگامہ ہوگا۔ لوگ بغور ملاحظہ کر رہے تھے کہ کس طرح سالہاسال کے بعد بیٹے کی سلامتی کی خبر سن کر خوشی سے جھومتے ہوئے حضرت یعقوب روشن و منور آنکھوں کے ہمراہ مشتاقانہ دیدار فرزند کے لئے آمادہ سفر ہیں۔

اہل کنعان بھی باپ اور بیٹے کے اس ملن کی خبر سے بے حد خوشحال تھے بطور خاص اس بات پر خوش تھے کہ حضرت یوسف (ع) مصر کے خزانہ دار ہیں اور خشک سالی کے زمانے میں غلہ بھیج کران کی مدد فرمائی ہے۔ نہیں معلوم کس شوق و ولولہ اور عشق و

محبت کے ساتھ اس واقعہ کو حوالۂ قرطاس کیا جائے اور کہاں پر اسے تمام کیا جائے !

کلمہ '''ابویہ'' سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف (ع) کی مادر گرامی بھی زندہ تھیں۔ لیکن سوال جو ذہن میں اٹھتا ہے اور میں خود بھی اس کا جواب نہیں جانتا کہ آخر وجہ کیا تھی کہ پورے قصے میں حضرت یوسف (ع) کی مادر گرامی کا گریہ، نالہ و شیون کہیں نہیں ملتا۔ پوری داستان اس سلسلے میں خاموش ہے۔ (1)

روایات میں آیا ہے کہ حضرت یعقوب (ع) نے قسم دے کر حضرت یوسف (ع) سے اصرار کیا کہ انہیں اپنی پوری داستان سنائیں۔ حکم پدری پر حضرت یوسف (ع) نے داستان شروع کی جب اس موقع پر پہنچے کہ بھائیوں نے کنویں کے پاس لے جا کر زبردستی میرا کرتا اتروا لیا تو یہ سنتے ہی حضرت یعقوب (ع) بے ہوش ہوگئے۔ جیسے ہی ہوش میں آئے فرمایا: داستان سناتے رہو لیکن حضرت یوسف (ع) نے فرمایا: بابا آپ (ع) کو ابراہیم و

اسماعیل و اسحٰق ؑ کے حق کا واسطہ، مجھے اس داستان کے سنانے سے معاف فرمائیں! حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسے قبول فرمالیا[2]

----

(1) تحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جناب یوسف کی ماں بچپن میں ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئی تھیں، حضرت یوسف کو ان کی خالہ نے پالا تھا، آیۂ شریفہ میں ''ابویہ'' اس لئے کہا گیا ہے کہ آپ F کی خالہ آپ کی تربیت کی ذمہ داری تھیں، جس طرح قرآن مجید نے آذر کو جناب ابراہیم (ع) کا باپ کہا ہے، جبکہ وہ آپ کا چچا تھا۔

علاوہ ازایں، ماں کا گریہ، آہ و نالہ، نوحہ وماتم اور فریاد وزاری ایک عام بات ہے، کیونکہ ہر ماں اپنے بچے کے فراق پر آنسو بہاتی ہے،

یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے لیکن اس کے مقابلہ میں مرد عقل کے ساتھ قدم آگے بڑھاتا ہے، باپ ہونے کے باوجود وہ صبر و ضبط سے کام لیتا ہے، اور اگر وہ باپ نبی ہو تو پھر اس کا آنسو بہانا بہت بعید ہے، کیونکہ یہ خلاف عقل ہے، گمشدہ چیز پر رونے سے کیا فائدہ، خصوصاً جب یقین ہو کہ فرزند زندہ ہے تو پھر آنسو بہانا دیوانہ پن ہے، زندہ شخص پر آنسو بہانے سے کیا فائدہ۔

انہی تمام پندار غلط اور تصورات ناقص پر خط بطلان کھینچنے کے لئے خداوند عالم نے حضرت یعقوب (ع) کے آنسوؤں کا تذکرہ فرمایا کہ جو اپنے وقت کے نبی بھی تھے اور اس کی تائید بھی فرمائی کہ یہ آنسو مقدس ہے، اور اس کا ذکر کرکے دنیا کے سامنے ایک مثال قائم کرنا ہے کہ یوسف کے فراق میں حزن و ملال، نالہ و شیون مقدس ہے، قابل اعتراض نہیں۔ مترجم۔

(2) تفسیر نمونہ، تفسیر مجمع البیان.

پیام:

1۔ بیرون شہر استقبال کرنا اچھی بات ہے۔(دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ) شہر کے باہر استقبالیہ مراسم ادا کئے گئے تھے اور وہیں پر خیمہ ڈالا گیا تھا۔

2۔ عہدہ اور مقام ہمیں والدین کے احترام سے غافل نہ کریں (قَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ...)

3۔ سربراہ مملکت بھی اگر اپنے ملک کے امن و امان کے سلسلے میں گفتگو کررہا ہے تو اس کو بھی خداوند عالم کے لطف کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے (إِنْ شَاءَ اللّٰهُ)[1]

4۔ رہائش و محل وقوع کے انتخاب میں سب سے پہلا قابل غور مرحلہ امنیت ہے۔ (آمِنِينَ)

5۔ اگر ہر دور میں یوسف زمان حاکم ہوں تو امینت برقرار ہو جائے گی۔ (آمِنِینَ)

----

(1) ایک قوم نے پہاڑوں کو تراش کر اپنے گھر بنالئے تھے تاکہ امن وسکون سے رہ سکیں لیکن خدائی قہر نے ان کے امن وامان کو درہم برہم کر دیا۔ (وکانوا ینحتون من الجبال بیوتاآمنین فاخذتہم الصیحۃ مصبحین) حجر 82۔83.

آیت 100:

(100) وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا وَقَالَ يَاأَبَتِ هَذَا تَأْوِيلُ رُيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ أَنْ نَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِمَا يَشَاءُ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ

''اور (مصر پہنچ کر) یوسف نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا اور وہ سب کے سب (یوسف کی تعظیم کے واسطے) ان کے سامنے سجدہ میں گر پڑے اور (اس وقت) یوسف نے کہا: اے بابا یہ تعبیر ہے میرے اس پہلے خواب کی میرے پروردگار نے اسے سچ کر دکھایا، بے شک اس نے میرے ساتھ احسان کیا ہے جب اس نے مجھے قید خانہ سے نکالا اور باوجودیکہ کہ مجھ میں اور میرے

بھائیوں میں شیطان نے فساد ڈال دیا تھا، اس کے بعد بھی آپ لوگوں کو صحرا سے (کنعان سے مصر) لے آیا (اور مجھ سے ملا دیا) بے شک میرا پروردگار جو چاہتا ہے اسے تدبیر خفی سے انجام دیتا ہے، بے شک وہ بڑا واقف کار حکمت والا ہے''۔

نکات:

''عرش'' اس تخت کو کہتے ہیں جس پر بادشاہ بیٹھتا ہے "خـــرّوا" زمین پر گرنا ''بدو'' بادیہ اور صحرا، "نـــزغ" کسی کے درمیان فساد کی غرض سے وارد ہونا۔

''لطیف'' خداوند عالم کا ایک نام ہے، یعنی اس کی قدرت پیچیدہ اور مشکل امور میں بھی اپنا راستہ بنا لیتی ہے اس نام کا تناسب آیت میں یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی میں ایک ایسی مشکل گرہ تھی جسے صرف قدرت خدائی ہی کھول سکتی تھی۔

حضرت یوسف علیہ السلام مثل کعبہ ہوگئے تھے اور انکے ماں باپ اور بھائیوں نے انکے بلند رتبے اور کرامت کی وجہ سے انکی طرف رخ کرکے خداوند عالم کا سجدہ کیا (خَـرُّوا لَـهُ سُـجَّدًا) اگر یہ سجدہ غیر خدا کے لئے اور شرک کا باعث ہوتا تو یوسف اور یعقوب جیسے دو پیغمبر الٰہی کبھی ایسے عظیم گناہ کے مرتکب نہ ہوتے۔ +

پیام:

1۔ ہم جس مقام پر بھی ہیں اپنے والدین کو اپنے سے برتر سمجھیں (رَفَعَ أَبَوَيْهِ) جس نے زیادہ رنج و مصیبت کا سامنا کیا ہے اس کو زیادہ صاحب عزت ہونا چاہیئے۔

2۔ انبیاء بھی تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوئے ہیں (عَلَى الْعَرْش)

3۔ حاکم بر حق کا احترام اور اس کے سامنے تواضع ضروری ہے۔ (خَرُّوا لَهُ سُجَّدً)

4۔ سجدۂ شکر، تاریخی سابقہ رکھتا ہے (خَرُّوا لَهُ سُجَّدً)[1]

5۔ خداوند عالم حکیم ہے کبھی کبھی سالہاسال کی طولانی مدت کے بعد دعا مستجاب فرماتا ہے یا خواب کی تعبیر دکھاتا ہے (هَذَا تَأْوِيلُ رُيَاى مِنْ قَبْل)

6۔ تمام پروگرام کو اس کے حقیقی انجام تک پہنچانا خداوند عالم کے ہاتھ میں ہے(قَدْ جَعَلَهَا رَبِّی حَقًّ).جی ہاں حضرت یوسف (ع) اپنی مقاومت اور صبر کے سلسلے میں رطب اللسان نہ تھے بلکہ ہر چیز کو خداوند عالم کا لطف سمجھ رہے تھے۔

7۔اولیاء خدا کے خواب .برحق ہوتے ہیں (جَعَلَهَا رَبِّی حَقًّ)

8۔ تمام اسباب و علل اور وسائل کو .بروئے کار لاتے ہوئے ہمیشہ حقیقی اصل اور سبب خداوند عالم کو سمجھنا چاہیئے حضرت یوسف کی زندگی میں مختلف اسباب و علل نے مل کر انہیں اس بزرگ مقام تک پہنچایا لیکن پھر فرماتے ہیں(قَدْ أَحْسَنَ بِی)

9۔ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت گزشتہ تلخیوں کا ذکر نہیں کرنا چاہیئے۔(أَحْسَنَ بِی إِذْ أَخْرَجَنِی مِنْ السِّجْنِ) باپ سے ملاقات کے وقت حضرت یوسف (ع) کا سب سے پہلا کام خدا کا شکر تھا گزشتہ واقعات کی تلخیوں کا ذکر نہیں فرمایا۔

10۔انسان کو جواں مرد ہونا چاہیئے اور مہمان کی دل آزاری نہیں کرنی چاہیئے (آیہ شریفہ میں حضرت یوسف (ع) زندان سے نکلنے کا واقعہ تو بیان فرماتے ہیں لیکن کنویں سے

----

(1) امام علی نقی علیہ السلام نے فرمایا: جناب یعقوب (ع) اور ان کے فرزندوں کا سجدہ، سجدہئ شکر تھا۔ احسن القصص.

باہر نکلنے کی داستان نہیں دہراتے کہ کہیں دوبارہ ایسا نہ ہو کہ بھائی شرمندہ ہو جائیں)(إِذْ أَخْرَجَنِی مِنْ السِّجْنِ)

11۔انسان کو جواں مرد ہونا چاہیئے اہل کینہ و انتقام نہیں حضرت یوسف (ع) فرمارہے ہیں۔(نَـزَغَ الشَّـیْطَانُ)یعنی شیطان نے وسوسہ کیا ورنہ میرے بھائی برے نہیں ہیں۔

12۔اولیائے الٰہی زندان میں قید ہونے اور وہاں سے آزادی کو توحید و ربوبیت کا محور سمجھتے ہیں (رب السجن احب) گزشتہ آیتوں میں ملتاہے اور ابھی فرمایا:(أَحْسَنَ بِی إِذْ أَخْرَجَنِی مِنْ السِّجْنِ)

13۔مصیبتوں کے بعد خوشی ہے ، مشکلوں کے بعد آسانی ہے ۔(أَخْرَجَنِی مِنْ السِّجْنِ)

14۔ بادیہ نشینی ضرورت ہے، فضیلت نہیں۔(قَدْ أَحْسَنَ بِی إِذ...جَاءَ بِکُمْ مِنْ الْبَدْوِ...)

15۔ بچوں کے ہمراہ والدین کا زندگی بسر کرنا ایک لطف الٰہی ہے (قَدْ أَحْسَنَ بِی إِذ...جَاءَ بِکُمْ)

16۔ بھائیوں ،بلکہ گھر کے ہر ہر فرد کو یہ جان لینا چاہیئے کہ شیطان ان کے درمیان اختلاف، افتراق اور جھگڑا کرانے کے چکر میں لگا رہتا ہے۔(نَزَغَ الشَّیْطَانُ بَیْنِی وَبَیْنَ إِخْوَتِی)

17۔اپنے آپ کو برتر شمار نہ کیجئے (بَیْنِی وَبَیْنَ إِخْوَتِی)
حضرت یوسف (ع) نے یہ نہیں کہا کہ شیطان نے ان لوگوں کو فریب اور دھوکا دیا بلکہ فرمایا میرے اور ان کے درمیان ... یعنی اپنے آپ کو بھی ان کے ہمراہ مد مقابل قرار دیا۔

18۔خداوند عالم کے امور نرمی، مہربانی ، اور لطف و کرم پر استوار ہوتے ہیں۔(لَطِیف)

19۔ تمام تلخ و شیریں حادثات، علم و حکمت الٰہی کی بنیاد پر وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ (الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ)

20۔ کسی کو معاف کرنے کے بعد اسے شرمندہ نہ کیجئے جب حضرت یوسف (ع) نے بھائیوں کو بخش دیا تو واقعہ بیان کرنے میں کنویں کا نام نہیں لیتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ بھائیوں کو شرمندگی ہو۔

آیت 101:

(101) رَبِّ قَدْ آتَیْتَنِی مِنْ الْمُلْکِ وَعَلَّمْتَنِی مِنْ تَأْوِیلِ الْأَحَادِیثِ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِیِّ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَ تَوَفَّنِی مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِی بِالصَّالِحِینَ .

''(اس کے بعد یوسف نے دعا کی)پروردگار تو نے مجھے اقتدار کا ایک حصہ بھی عطا فرمایا اور مجھے خواب کی تعبیر بھی سکھائی، اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی میرا مالک و سرپرست ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی تو مجھے (دنیا سے) مسلمان اٹھا لے اور مجھے نیکوکاروں میں شامل فرما''۔

نکات:

اولیائے خدا جب بھی اپنی عزت و قدرت کو ملاحظہ کرتے ہیں تو فوراً یاد خدا میں سر نیاز خم کردیتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں: خدایا جو کچھ بھی ہے تیرا ہی دیا ہوا ہے۔ حضرت یوسف (ع) نے بھی یہی کہا، باپ سے گفتگو کرتے کرتے خدا کی طرف متوجہ ہوگئے۔ خداوند عالم نے مصر کی حکومت دو افراد کے ہاتھ میں دی ایک فرعون کہ جس نے اس حکومت کو اپنی طرف منسوب کرلیا۔ (الیس لی ملک مصر)[1] دوسرے حضرت یوسف علیہ السلام جنہوں نے اس کی نسبت خداوند عالم کی طرف دی (اتیتنی من الملک)

ابراہیمی طرز تفکر، ان کی نسل میں بھی جلوہ گر ہے۔ کل حضرت ابراہیم (ع) نے فرمایا تھا۔ (اسلمت لرب العالمین)[2] میں پروردگار عالم کے سامنے تسلیم ہوں۔ آپ (ع) کے بعد آپ

(ع)کے پوتے حضرت یعقوب (ع)اپنے فرزندوں سے وصیت فرماتے ہیں کہ باایمان اس دنیاسے رخصت ہوں(لاتموتن الا و انتم مسلمون)[3] یہاں فرزند یعقوب حضرت یوسف بھی وقت وفات تسلیم و رضائے الٰہی کی درخواست کررہے ہیں (توفنی مسلما)۔ بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام کا شمار صالحین میں ہوتا ہے(انہ فی الاخر لمن الصالحین)[4] اور حضرت یوسف (ع) چاہتے ہیں کہ انہی سے ملحق

----

(1) سورہ زخرف آیت 51. (2) سورہ بقر آیت 131.

(3) سورہ بقر آیت 132. (4) سورہ بقر آیت 130.

ہو جائیں (الحقنی بالصالحین)

خداوند عالم نے حضرت آدم (ع) کو اسما کی تعلیم دی (علـــم آدم الاسمـــاء کلهـــا)[1] حضرت دد (ع) کو زرہ سازی کی تعلیم دی (علمنــاہ صــنعه لبــوس)[2] حضرت سلیمان (ع) کو منطق الطیر (پرندوں کی بولی سمجھنا) کا علم دیا (علمنـــامنطق الطـــیر)[3] اسی طرح حضرت یوسف (ع) کو تعبیر خواب کا علم عنایت فرمایا (علمتنی من تاویل الاحادیث) لیکن ہمارے نبی کو علم اولین و آخرین عنایت فرمایا۔ علمک مالم تکن تعلم[4]

یوسفی چہرہ (ایک کامیاب رہبر کی صفات و خصوصیات)

حضرت یوسف علیہ السلام کی داستان کے اختتام پر ان کا رخ زیبا دیکھتے چلیں۔

----

(1) سورہ بقرہ آیت 31.

(2) سورہ انبیاء آیت 80.

(3) سورہ نمل آیت 16.

(4) سورہ نساء آیت 113.

(1) تلخیوں میں خداوند عالم پر بھرپور بھروسہ (رب السجن احب...) اور خوشی و شادکامی میں بھی اسی پر توجہ (رب قد اتیتنی من الملک)

(2) ہر منحرف گروہ کی انحرافی راہ اور نقوش ترک کرنا (انی ترکت مل قوم لا یومنون باللہ و ھم بالاخر کافرون)

(3) بزرگوں کی راہِ مستقیم پر گامزن ہونا (واتبعت مل آبائی ابراھیم،

والحقنی بالصالحین)

(4) خدا کی راہ میں تادم مرگ پائیداری (توفنی مسلما)

(5) رقیبوں کے مقابلے میں وقار (احب الی ابینا منّا)

(6) حوادث اور تلخیوں میں صبر (یجعلوہ فی غیابت الجب ، اراد باھلک سوئ)

(7)آرام وآسائش پر پاکدامنی اور تقوی کو ترجیح دینا(معاذاللہ ، رب السجن احب الی مما یدعوننی)

(8)غیروں سے باتوں کو چھپانا(وشروہ بثمن بخس)

(9)وافر علم(علمنی من تاویل الاحادیث ، انی حفیظ علیم...)

(10) فصیح اور خوبصورت انداز بیان(فلما کلّمہ قال انک لدینامکین)

(11)خاندانی عظمت وبزرگی(آبائی ابراھیم و اسحق...)

(12)دینی اور فکری مخالفین سے محبت سے پیش آنا(یا صاحبی السجن)

(13)اخلاص۔(کان من المخلصین)

(14)دوسروں کی ہدایت کے لئے سوز دل(ءَ ارباب متفرقون)

(15)منصوبہ بندی کرنے کی قدرت و تخلیقی صلاحیت(جعـــل السقای ، ائتونی باخ لکم ، فذروہ فی سنبلہ...)

(16)تواضع اور فروتنی(رفع ابویہ علی العرش)

(17)عفو و اغماض نظر(لاتثریب علیکم)

(18)شجاعت و جواں مردی(نـزغ الشـیطان بینـی و بـین اخوتی)

(19)امانتداری(اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم)

(20) مہمان نوازی (انا خیرالمنزلین)

پیام:

1۔اعطائے حکومت؛الٰہی ربوبیت کی شان ہے(رَبِّ قَدْ آتَیْتَنِی مِنْ الْمُلْکِ)

2۔حکومت کو اپنی فکر، مال، قدرت، یارومددگار اور منصوبہ بندی کا نتیجہ نہ سمجھئے بلکہ ارادہ خداوندی اصلی اور حقیقی عامل ہے(آتَیْتَنِی)

3۔جو چیز خدا ہمیں دیتا ہے یا ہم سے لے لیتا ہے سب کے سب ہماری تربیت کے لئے ہیں(رب بما اتیتنی، رب السجن احبّ)

4۔حکومت تعلیم یافتہ افراد کا حق ہے جاہلوں کا نہیں(آتَیْتَنِی... عَلَّمْتَنِی)حضرت یوسف (ع) کا علم ان کی حاکمیت کا وسیلہ قرار پایا۔

5۔ہر حال میں خود کو خدا کے سپرد کردینا چاہیئے(أَنْتَ وَلِیِّ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَ)

6۔ قدرت و حکومت و سیاست، دین الٰہی سے دور ہونے کی راہ کو ہموار کرتے ہیں مگر یہ کہ لطف خداوند شامل حال ہو(تَـــــوَفَّنِی مُسْـلِمًا) (حضرت یوسف (ع) نے کنویں میں ایک دعا کی، قید خانہ میں ایک دوسری دعا کی لیکن جیسے ہی مسند حکومت پر پہنچے آپ (ع) کی دعا یہ تھی: ''خدایا ہیں مسلمان اس دنیا سے رخصت ہوں '')

7۔اللہ کے بندے عزت و طاقت کی معراج پر بھی موت ، قیامت اور عاقبت کی یاد میں ہوتے ہیں(توفنی مسلما و الحقنی بالصالحین)[1]

8۔عظمت خدا فقط یہی نہیں کہ وہ ہماری نعمتوں میں اضافہ کردے بلکہ وہ تمام ہستی کو معرض وجود میں منصۂ شہود پر ظہور پذیر کرنے والا ہے(فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ)

9۔افتخار یوسف (ع) یہ نہیں کہ وہ لوگوں پر حاکم ہیں بلکہ آپ (ع) کاافتخار یہ ہے کہ خداآپ (ع) پر حاکم ہے(أَنْـتَ وَلِـيّ فِـى الدُّنْيَا وَالْآخِرَ)

10۔کار خیر میں پائیداری اور اس کا نیک انجام اس کے شروع ہونے سے بہتر ہے۔انبیاء حسن عاقبت کے لئے دعافرماتے ہیں(

تَـــوَفَّنِی مُسْـــلِمً) یعنی مجھے اپنی تسلیم و رضا کی راہ میں تادم مرگ پائیداری عنایت فرما[2]

11۔ دعا میں پہلے خداوند عالم کی نعمتوں کا ذکر کیجئے (رَبِّ قَـــدْ آتَیْتَنِی) اس کے بعد اپنی

----

(1) اسی طرح فرعون کی بیوی آسیہ بھی اس کے محل میں قیامت کی فکر میں تھیں۔ فرمایا: (رب ابن لی عندک بیت فی الجنة) خدایا جنت میں تو اپنے پاس میرے لئے ایک گھر بنادے.

(2) تفسیر المیزان.

درخواست پیش کیجئے (تَوَفَّنِی مُسْلِمًا)[1]

12۔جب قدرت مل جائے تو خدا سے مناجات فراموش نہ ہو(رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِى...)

13۔دعااور مناجات میں فقط دنیااور مادیات کے چکر میں نہیں رہنا چاہیئے(فِى الدُّنْيَا وَالْآخِرَ)

14۔انسان کی قدرت ناچیز ہے(مِنَ الْمُلْكِ)انسان کا علم کم ہے(مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ...)لیکن خداوند عالم کی حکومت تمام ہستی پر حکم فرما ہے(فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ)

15۔باایمان دنیا سے رخصت ہونا اور صالحین میں شمار ہونا ایک بہت بڑی فضیلت ہے۔(تَوَفَّنِى مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِى بِالصَّالِحِينَ)

----

(1) حضرت یوسف (ع) جن کو خداوند عالم نے شروع سے محفوظ رکھا، انہیں علم عطا فرمایا۔ حکومت عنایت فرمائی، خطرات سے بچایا، وہ اپنی عاقبت اور انجام کار سے مضطرب اور پریشان ہیں، ان لوگوں کا کیا برا حال ہوگا جنہوں نے کرسی، حکومت، علم سب کے سب مکاری اور فریب کاری سے حاصل کئے ہیں.

آیت 102:

(102)ذَلِکَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْکَ وَمَا کُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْکُرُونَ

''(اے رسول) یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم آپ کی طرف وحی کررہے ہیں ورنہ جس وقت یوسف کے بھائی مشورہ کررہے تھے اور (ہلاک کرنے کی) تدبیریں کررہے تھے آپ انکے پاس موجود نہ تھے''۔

پیام:

1۔انبیاء (ع) بذریعہ وحی غیب کی باتوں سے آشنا ہوتے ہیں(ذَلِکَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ...)

2۔انبیاء (ع) غیب کی تمام خبروں سے واقف نہیں ہوتے (مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ)

3۔جب تک مشیت خداوندی نہ ہو تو نہ کسی کاارادہ (أَمْـــرَهُم)نہ کسی قوم کااجماع (أَجْمَعُـــــــو) اور نہ ہی کسی کی پالیسی اور سازش (يَمْكُرُونَ) کوئی بھی اثرانداز نہیں ہوسکتا۔

4۔جب پے درپے حوادث رونما ہورہے ہوں تواس میں اصلی نکتہ اور شروع ہونے کے محل کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے حضرت یوسف (ع) کی داستان کا مرکزی نقطہ حضرت یوسف (ع) کو نابود کرنا تھا۔(أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُون)

آیت 103:

(103)وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ

''اور آپ کتنے ہی خواہش مند ہوں مگر بہترے لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں''۔

نکات:

''حرص'' یعنی کسی چیز سے بے حد لگ اور اس کو پانے کے لئے حد سے زیادہ جدو جہد کرنا۔

پیام:

1۔ بارہا قرآن مجید میں انسانوں کی کثیر تعداد اپنے دینی عقائد و نظریات کی وجہ سے مورد تنقید قرار پائی ہے (وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ... بِمُمِنِينَ)

2۔الٰہی نمایندے دوسروں کی ہدایت کے لئے سوز، درد ، اور اشتیاق رکھتے ہیں (حَرَصْتَ)

3۔اکثر و بیشتر لوگوں کا ایمان نہ لانا پیغمبروں (ع) کی کوتاہی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ خود انسان کی آزادی اور اختیار کا نتیجہ ہے کہ وہ ایمان لانا نہیں چاہتے تھے (مَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُمِنِينَ)

آیت 104:

(104) وَمَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ هُوَ إِلاَّ ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ

''حالانکہ آپ ان سے اس بات (تبلیغ رسالت) کا کوئی صلہ بھی نہیں مانگتے اور یہ قرآن تو تمام جہان کے واسطے نصیحت (ہی نصیحت) ہے''۔

نکات:

دوسرے پیغمبروں بز کی طرح پیغمبر اسلام (ص) نے بھی قوم کی ہدایت کے لئے کوئی اجزت نہیں مانگی کیونکہ اگرلوگوں سے اجر کی توقع رکھی جائے تولوگ دعوت حق کو قبول کرنے سے اجتناب اور بوجھ محسوس کرتے ہیں۔سورہ طور کی 40ویں آیت میں

خداوند عالم فرماتا ہے: (ام تسئلھم اجرا فھم من مغرمٍ مثقلون) مگر کیا ان سے آپ نے کسی اجر کی درخواست کی ہے کہ جس کی ادائیگی ان پر بھاری ہے۔اب اگر ہم دوسری آیت میں ملاحظہ فرماتے ہیں کہ قربیٰ کی مدت اجر رسالت قرار پارہی ہے(الاّ المـــد فی القربی)[1] تواس کا ہدف یہ ہے کہ اہلبیت (ع) کی پیروی میں خود امت کا فائدہ ہے، پیغمبر اسلام (ص) کا نہیں۔ کیونکہ اسی قرآن میں ایک دوسری جگہ پر موجود ہے کہ (وماسئلتکم من اجر فھو لکم)[2] ہم جو اجر تم سے مانگ رہے ہیں وہ تمہارے لئے ہی ہے۔ جی ہاں جو شخص اہل بیت (ع) سے محبت کرے گا اور ان کی اطاعت کرے گا در حقیقت اس نے خدا و پیغمبر (ص) کی اطاعت کی ہے۔

----

(1) سورہئ شوری آیت۔23.

(2) سورہ ئسبا آیت 43.

قرآن ذکر ہے اس لئے کہ :

خدا کی آیات و نعمات و صفات کا یاد دلانے والا ہے۔

انسان کے ماضی و مستقبل کو یاد دلانے والا ہے۔

سماج کی عزت و ذلت کے اسباب کو یاد دلانے والا ہے۔

میدان قیامت کے احوال یاد دلانے والا ہے۔

جہان و ہستی کی عظمتوں کو یاد دلانے والا ہے۔

تاریخ ساز شخصیتوں کی تاریخ اور زندگی یاد دلانے والا ہے۔

قرآن مجید کے معارف و احکام وہ حقائق ہیں جن کا جاننا ضروری ہے اور انہیں ہمیشہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کیونکہ ''ذکر'' اس علم و معرفت کو کہتے ہیں جو ذہن میں حاضر ہو اور اس سے کبھی غفلت نہ ہو۔

پیام:

1۔جس طرح انبیاء (ع)، قوم سے کوئی توقع نہیں رکھتے اس طرح مبلغ کو بھی قوم سے توقع نہیں رکھنی چاہیئے(مَا تَسْأَلُهُمْ مِنْ أَجْر)

2۔اجر کی درخواست بری چیز ہے نہ اجر کا دریافت کرنا(تَسْئل)

3۔پیغمبراسلام (ص) کی رسالت تمام کائنات کے لئے ہے(لِلْعَالَمِينَ)

4۔امت کا ایک گروہ حتی اکثریت کہیں کسی وقت ایمان نہ لائے تو دینی مبلغ کو مایوس اور غمگین نہیں ہونا چاہیئے اگر زمین کے کسی حصے میں کسی گروہ نے ایمان قبول نہیں کیا تو دوسری جگہ جاکر تبلیغ کرنی چاہیئے(لِلْعَالَمِينَ)

آیت 105:

(105)وَكَأَيِّنْ مِنْ آيَ فِی السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ .

''اور آسمانوں اور زمین میں (خدا کی قدرت کی) کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ (دن رات) گزرا کرتے ہیں اور اس سے منہ پھیرے رہتے ہیں''۔

نکات:

در حقیقت یہ آیہ شریفہ رسول اکرم (ص) کی تسلی خاطر کے لئے نازل ہوئی، بلکہ ہر بر حق رہبر و پیشوا کے لئے تسلی ہے کہ اگر قوم ان کے فرامین کی نسبت بے توجہ ہے اور اسے قبول نہیں کر رہی ہے تو اس سے پریشان نہ ہوں، ایسے لوگ تو ہمیشہ طبیعت و

خلقت خدائی میں قدرت و حکمت خداوندی کے شاہکار کا سامنا کرتے ہیں لیکن کبھی بھی اس سلسلے میں غور و فکر نہیں کرتے ہیں۔ یہ لوگ زلزلے ، سورج گرہن چاند گرہن ، بجلیوں کی کڑک ستاروں کی گردش ، کہکشاں کا اپنے مدار پر حرکت کرنا ان سب نشانیوں کو دیکھتے ہیں پھر بھی ان سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

یمرون علیھا کا تین طرح معنی کیا گیا ہے : (الف) آیات الٰہی کا سامنا کرنے سے مقصود ان نشانیوں کا مشاہدہ کرنا ہے ۔(ب) انسانوں کا '' الٰہی نشانیوں سے گزرنے '' سے مراد زمین کی حرکت ہے کیونکہ زمین کی حرکت سے انسان اجرام فلکی پر مرور کرتا ہے۔[1]

----

(1) تفسیر المیزان.

3۔''الٰہی نشانیوں سے گزرنا''ایک پیشنگوئی ہے کہ انسان فضائی وسائل پر سوار ہوگا اور آسمانوں میں حرکت کرے گا۔[1]

کسی چیز سے منہ موڑنا، غفلت سے زیادہ خطرناک ہے چونکہ ان نشانیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے (کَـــأَيِّنْ) اور انسان ان سے دائماً رابطے میں بھی ہے" یَمُرُّونَ"لیکن اسکے باوجود نہ صرف اسے فراموش کرتا، اور ان سے غافل رہتا ہے بلکہ بعض اوقات متوجہ ہونے کے باوجود ان سے منہ موڑ لیتا ہے۔

پیام:

1۔انسان اگر ہٹ دھرمی سے کام لے تو کسی نشانی کو بھی قبول نہیں کرسکتا(وَكَـأَيِّنْ مِـنْ آیَ... یَمُـرُّونَ عَلَيْهَـا وَهُـمْ عَنْهَـا مُعْرِضُونَ)

2۔ تمام کائنات خدا کی پہچان کے اسرار و رموز اور نشانیوں سے بھری ہوئی ہے۔ (آیَ)

----

(1) سفر نامہ حج آیت اللہ صافی .

آیت 106:

(106) وَمَا يُمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللهِ إِلاَّ وَهُمْ مُشْرِكُونَ .

''اور ان میں کی اکثریت خدا پر ایمان بھی لاتی ہے تو شرک کے ساتھ''۔

نکات:

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: شرک اس آیت میں کفر و بت پرستی کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ غیر خدا کی طرف لو لگانا مقصود ہے[(1)]

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا شرک انسان میں ''اندھیری رات میں سیاہ پتھر پر سیاہ چیونٹی کی حرکت'' سے بھی خفیف تر ہے[(2)]

امام باقر علیہ السلام نے بھی فرمایا لوگ عبادت میں موحد ہیں لیکن اطاعت میں غیر خدا کو شریک بنالیتے ہیں [3] دوسری روایات میں آیا ہے کہ اس آیت میں شرک سے مراد شرک نعمت ہے۔

مثلاًانسان کہے ''کہ فلاں انسان نے ہمارا کام کردیا ''۔ ''اگر فلاں صاحب نہ ہوتے تو ہم نابود ہو گئے ہوتے ''اس جیسی دوسری مثالیں [4]

----

(1) تفسیر نمونہ.

(2) سفینہ البحار، ج 1، ص 697.

(3) کافی ،ج 2، ص 692.

(4) تفسیر نمونہ.

مخلص انسان کی علامتیں

1۔انفاق میں کسی سے اجر کی توقع اور تشکر کا انتظار نہیں رکھتا(لا نرید منکم جزاء ولا شکور)[1]

2۔عبادت میں خدا کے علاوہ کسی دوسرے کی بندگی نہیں کرتا۔(ولا یشرک بعباد ربہ احد)[1]

3۔ تبلیغ میں خدا کے علاوہ کسی دوسرے سے اجر نہیں چاہتا(ان اجری الا علی اللہ)[2]

4۔شادی بیاہ میں فقر و تنگدستی سے نہیں ڈرتا بلکہ خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے شادی کرلیتا ہے(ان یکونوا فقراء یغنھم اللہ من فضلہ)[3]

5۔لوگوں سے سلوک کرنے میں خدا کی رضا کے علاوہ دوسری تمام چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے(قل اللہ ثم ذرھم)[4]

6۔جنگ اور دشمن سے مقابلہ کرنے میں خدا کے علاوہ کسی دوسرے سے خوفزدہ نہیں ہوتا۔(لایخشون احداالا اللّٰہ)[5]

7۔مہرو محبت میں خدا سے زیادہ کسی سے محبت نہیں کرتا(والذین آمنوا اشد حبا للّٰہ)[6]

----

(1)سورہ انسان آیت 9.

(1)سورہ کہف آیت 110.

(2)سورہ یونس آیت 72.

(3)سورہ نور آیت 32.

(4)سورہ انعام آیت 91.

(5)سورہ احزاب آیت 39.

(6)سورہ بقرہ آیت 165.

(☆) عباس ساجری ہو کہ اکبر سامہہ جبیں
تجھ کو سبھی عزیز تھے لیکن خدا کے بعد

8۔ تجارت اور کسب معاش میں خداوند عالم کی یاد سے غافل نہیں ہوتا۔(لاتلهيهم تجار ولا بيع عن ذكر الله)(1)

مومن مشرک کی علامتیں

1۔ دوسروں سے عزت کا آرزومند ہوتا ہے(ايبتغون عندهم العز)(2)

2۔ عمل ہیں اچھے اور برے عمل کو مخلوط کر دیتا ہے(خلطوا عملا صالحا و آخر سیّ)(3)

3۔لوگوں سے ارتباط میں حزبی اور گروہی تعصّبات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔(کل حزب بما لدیھم فرحون)[4]

4۔عبادت میں بے توجہ اور ریاکار ہو جاتا ہے(الــذین هــم عــن صلاتھم ساھون والذین ھم یرن)[5]

5۔جنگ وجدال میں انسانوں سے ڈرتا ہے(یخشــون النــاس کخشی اللّٰہ)[6]

----

(1)سورہ نور آیت 37.

(2)سورہ نساء آیت 139.

(3)سورہ توبہ آیت 102.

(4)سورہ مومنون آیت 53.

(5)سورہ ماعون آیت 6۔5.

(6)سورہ نساء آیت 77.

6۔ تجارت اور دنیاوی امور میں زیادتی اور اضافہ کی طلب اسے سرگرم کئے رکھتی ہے(الھٰکم التکاثر)[1]

7۔ دنیا اور دین کے انتخاب میں دنیا کو منتخب کرلیتے ہیں اور پیغمبر (ص) کو تنہا چھوڑ دیتے ہیں(واذا رأو تجـــارۃ او لھـــوا انفضـــوا الیھا وترکوک قائم)[2]

پیام:

1۔ایمان کے مختلف مراتب ہیں۔خالص ایمان جس میں کوئی شرک نہ ہو بہت کم ہے۔(وَمَا يُمِنُ...إِلاَّ وَهُمْ مُشْرِكُونَ)

آیت 107:

(107)أَفَـأَمِنُوا أَنْ تَأْتِـيَهُمْ غَاشِـيَ مِـنْ عَـذَابِ اللهِ أَوْ تَأْتِيَهُمْ السَّاعَ بَغْتَ وَهُمْ لاَيَشْعُرُونَ.

''کیا وہ لوگ (جو ایمان نہیں لائے) اس بات سے مامون ہیں کہ خدا کی طرف سے گھیرنے والا عذاب جو ان پر چھا جائے یا ان پر اچانک قیامت کی گھڑی آجائے اور ان کو کچھ خبر بھی نہ ہو''۔

نکات:

''غاشیہ'' اس عذاب و عقاب کو کہتے ہیں جو کسی فرد یا معاشرے کو اپنے گھیرے میں لے لے۔

----

(3) سورہ تکاثر آیت 1.

(4) سورہ جمعہ آیت 11.

پیام:

1۔ کوئی بھی خود کو ضمانت یافتہ نہ سمجھے (افامنوا...)

2۔خدائی قہر، ناگہاں دامن گیر ہوتا ہے۔(بغت)

3۔خدائی قہر، ہمہ گیر ہوتا ہے جس سے فرار کی کوئی راہ نہیں ہے (غاشیہ)

4۔ قہر الٰہی کا احتمال ہی انسان کے لئے حق کی طرف قدم بڑھانے کے لئے کافی ہے۔ مشکل یہ ہے کہ بعض افراد قہر الٰہی کا احتمال بھی نہیں دیتے۔(افامنو)

5۔عذاب کا ایک چھوٹا سا نمونہ انسان کو گرفتار کرنے کے لئے کافی ہے۔(غاشیمن عذاب)

6۔ قیامت کی یاد، تربیت کے لئے بہترین عامل ہے۔(تَأْتِيَهُمْ السَّاعَ)

آیت 108:

(108) قُلْ هَـذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللّهِ عَلَى بَصِيرَ أَنَا وَمَنْ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللّهِ وَمَا أَنَا مِنْ الْمُشْرِكِينَ.

''(اے رسول) ان سے کہہ دو : یہی میرا راستہ ہے میں اور میرے پیروکار پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور خدا (ہر عیب و نقص سے) پاک و پاکیزہ ہے اور میں مشرکین سے نہیں ہوں''۔

نکات:

توحید کی طرف دعوت دینے والا شخص عوام سے جدا ہوتا ہے کیونکہ گزشتہ دوآیتوں سے ثابت ہے کہ عوام الناس کاایمان غالباً شرک سے آلودہ ہوتا ہے(وَمَا يُمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّهِ إِلاَّ وَهُمْ

مُشْرِكُونَ) لیکن دینی مبلغ کو ایسا ہونا چاہیئے کہ علی الاعلان کہہ سکے :(وما انا من المشرکین)

پیام:

1۔انبیاء (ع) کی راہ تمام افراد کے سامنے واضح اور روشن ہے (هَذِهِ سَبِيلِي)

2۔رہبر کو بصیرتِ کامل کا حامل ہونا چاہیئے (عَلَى بَصِيرَ)

3۔رہبر کی دعوت خدا کی طرف سے ہو،نہ کہ اپنی طرف سے (أَدْعُو إِلَى اللّهِ)

4۔دینی مبلغ کو خالص و مخلص ہونا چاہیئے(وَمَـــا أَنَا مِـــنْ الْمُشْرِكِينَ)

5۔ تبلیغ کا مرکز و محور ''خداوند عالم کو ہر شرک و شریک سے منزہ کرنا'' ہونا چاہیئے (سُبْحَانَ اللّهِ)

6۔ پیغمبر اسلام (ص) کے ہر پیرو کار کو ایسا مبلغ ہونا چاہیئے کہ وہ بصیرت و آگاہی کے ساتھ لوگوں کو خدا کی طرف بلا سکے (أَدْعُـــو إِلَى اللهِ...أَنَا وَمَنْ اتَّبَعَنِی)

7۔ توحید کا اقرار اور شرک کی نفی دین اسلام کی بنیاد ہے۔(أَدْعُـو إِلَى اللهِ...مَا أَنَا مِنْ الْمُشْرِكِينَ)

آیت 109:

(109)وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ إِلاَّ رِجَالًا نُوحِی إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِی الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَدَارُ الْآخِرَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا أَفَلاَتَعْقِلُونَ .

''اور (اے رسول)آپ سے پہلے بھی ہم ان بستیوں میں صرف مردوں کو ہی بھیجتے رہے ہیں جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے تو کیا یہ لوگ روئے زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلے والوں کا انجام کیا ہوا ؟ اور جن لوگوں نے پرہیز گاری اختیار کی ان کے لئے آخرت کا گھر (دنیا سے)یقینا بدرجہا بہتر ہے کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ؟''

نکات:

مخالفین انبیاء ؑ نے یہی بہانہ تراشی کی کہ پیغمبران (ع) ہم ہی جیسے انسان کیوں ہیں؟ گویا پیغمبر اسلام (ص) کے زمانے میں بھی یہی فکر کارفرما تھی اور لوگ یہی سوال کررہے تھے، یہ آیہ شریفہ اسی کا جواب ہے اور لوگوں کو خبردار کررہی ہے۔

پیام:

1۔ تمام انبیاء (ع) مرد تھے (رجــــالًا) کیونکہ تبلیغ اور ہجرت و جستجو کا امکان مرد کے لئے زیادہ ہے۔

2۔ انبیاء (ع) کے علوم، وحی کے ذریعے یا بعبارت دیگر "لدنی" تھے (نُوحِی إِلَيْهِمْ)

3۔انبیاء (ع)انسانوں ہی کی صنف سے تھے اور انسانوں کے درمیان ہی زندگی بسر کرتے تھے (نہ تو فرشتہ تھے نہ ہی گوشہ نشین تھے اور نہ ہی آرام و آسائش کے خوگر تھے) (مِنْ أَهْلِ الْقُرَى)

4۔ سیر و سفر باہدف ہونا چاہئے۔(أَفَلَمْ يَسِيرُوا... فَيَنْظُرُو)

5۔زمین میں سیر و سیاحت کرنا، تاریخی معلومات اور اس سے عبرت حاصل کرنا ہدایت و تربیت کے لئے بے حد مؤثر ہے (فَيَنْظُرُو)

6۔ عبرت اور آنے والی نسلوں کے لئے آثار قدیمہ کا محفوظ رکھنا بے حد ضروری ہے۔(فَيَنْظُرُو)

7۔انبیاء (ع) کا بھیجنا، وحی کا نزول اور ہٹ دھرم مخالفین کی ہلاکت سب کے سب تاریخ میں سنت الٰہی کے عنوان سے محفوظ ہیں (كَيْفَ كَانَ عَاقِبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ)

8۔ پیغمبروں (ع) کی مخالفت کرکے کفار کچھ بھی حاصل نہیں کرپاتے بلکہ دنیا ہی میں قہر وعذاب میں گرفتار ہو جاتے ہیں جبکہ

اہل تقویٰ آخرت تک پہنچتے ہیں جو دنیا سے بہتر ہے۔(وَلَـــــــدَارُ الْآخِرَ خَيْرٌ)

9۔ عقل و خرد انسان کو انبیائی مکتب کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔(أَفَلاَ تَعْقِلُونَ)

آیت 110:

(110) حَتَّى إِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَشَاءُ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ

''(پیغمبران ماسلف نے تبلیغ رسالت کی) یہاں تک کہ جب (قوم کے ایمان لانے سے) انبیاء مایوس ہوگئے اور لوگ بھی یہ خیال کرنے لگے کہ ان سے (عذاب کا وعدہ بطور) جھوٹ کہا گیا تھا توانبیاء کے لئے ہماری نصرت پہنچ گئی اس کے بعد جسے ہم نے چاہا اسے نجات مل گئی اور مجرموں سے تو ہمارا عذاب ٹالا ہی نہیں جاسکتا''۔

نکات:

ہمیشہ سے تاریخ گواہ ہے کہ انبیاء (ع) اپنی دعوت میں پائیدار اور مُصرّ رہے اور آخری وقت تک خداوند عالم کی طرف بلایا کرتے تھے۔ مگر یہ کہ کسی کی ہدایت سے مایوس ہو جائیں۔ ! اسی طرح ہٹ دھرم مخالفین بھی مقابلہ سے دست بردار نہیں ہوتے تھے۔ اس کے نمونے قرآن مجید میں موجود ہیں :

انبیاء (ع) کی ناامیدی کانمونہ

سالہا سال حضرت نوح علیہ السلام قوم کو خدا کی طرف دعوت دیتے رہے لیکن چند افراد کے علاوہ کوئی بھی دولت ایمان سے بہرہ مند نہ ہوا ،خداوندعالم نے حضرت نوح (ع) کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: (لن یمن من قومک الا من قدامن)[1] جو ایمان لاچکے ہیں ان کے علاوہ کوئی بھی آپ کی قوم میں سے ایمان نہیں لائے گا۔

حضرت نوح (ع) اپنی قوم کے لئے بد دعا کرتے ہوئے جو ان کی مایوسی کی علامت ہے فرماتے ہیں: (لا یلدوا الاّ فاجراً وکفار)[2] ان سے کافر و فاجر کے علاوہ کوئی دوسرا پیدانہ ہوگا اسی طرح حضرت ہود، صالح، شعیب، موسیٰ، عیسیٰ بھی اپنی اپنی زندگی میں امت کے ایمان لانے سے مایوس دکھائی دیتے ہیں۔

قوم کی انبیاء (ع) سے بدگمانی کا نمونہ

انبیاء ؑ کی تہدید کو کفار کھوکھلے دعوے اور جھوٹ سمجھتے تھے۔

سورہ ہود کی 27ویں آیت میں کفار کا قول نقل کیا گیا ہے کہ (بل نظنکم کاذبین) یعنی ہمارا گمان تو یہی ہے کہ تم لوگ جھوٹے ہو، یا فرعون نے حضرت موسیٰ (ع) سے کہا (انی لاظنک یا موسیٰ مسحور)[3] درحقیقت میرا گمان ہے کہ اے موسیٰ تم سحر زدہ ہو گئے ہو۔

----

(1) سورہ ہود آیت 36.

(2) سورہ نوح آیت 27.

(3) سورہ بنی اسرائیل آیت 101.

خدا کی مدد

ایسی حالت میں خداوند عالم نے نصرت و مدد کو اپنا حق بتایا ہے اور اپنے اوپر لازم کیا ہے کہ مومنین کی نصرت فرمائے (وکان حقا علینا نصر المومنین)[1] یا دوسری جگہ فرمایا: (نجینا هودا والذین آمنوا معه)[2] ہم نے ہود اور ان مومنین کو نجات دی جو ان کے ساتھ تھے۔

خدائی قہر

وہی خداوند عالم یہ بھی فرماتا ہے کہ میرا قہر و غضب نازل ہونے کے بعد پلٹنے والا نہیں ہے۔ سورہ رعد میں ارشاد ہوا: (اذا اراد اللہ بقوم سوء فلا مردّله)[3] جب بھی خدا کسی قوم کو برے حال

سے دوچار کرنے کا ارادہ کرلے تو اس کے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی۔

پیام:

1۔انسان میں قساوت اور ہٹ دھرمی کبھی کبھی اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ بردبار خدائی نمائندوں کو بھی مایوس کردیتی ہے۔ (إِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ)

2۔خوش بيني ، حسن نیت اور حوصلہ کی ایک حد ہوتی ہے (حتی)

----

(1)سورہ روم آیت 47.

(2)سورہ ھود آیت 58.

(3)سورہ رعد آیت 11.

3۔اپنی طاقت کو غیر قابل نفوذ افراد میں صرف نہیں کرنا چاہیئے بلکہ بعض لوگوں سے صرف نظر کرلیناچاہیئے (اسْـــتَیْئَسَ الرُّسُلُ)

4۔ مجرمین کو مہلت دینا اور انکے عذاب میں تاخیر کرنا سنت الٰہی ہے(حَتَّی إِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ)یعنی ہم نے مجرموں کواتنی مہلت دی کہ انبیاء بھی ان کی ہدایت سے مایوس ہوگئے۔

5۔عذاب الٰہی میں تاخیر مجرموں کو جری بنا دیتی ہے اور وہ جھٹلانے لگتے ہیں۔(حَتَّی إِذَا... وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ کُذِبُو)

6۔انبیاء (ع)کا کسی قوم کی ہدایت سے مایوس ہوجانا نزول عذاب کی شرط ہے۔(إِذَا اسْتَیْئَسَ...لاَیُرَدُّ بَأْسُنَا ...)

7۔ پیغمبروں (ع)کے لئے خدائی امداد کی بھی ایک خاص گھڑی ہوتی ہے (إِذَا اسْتَیْئَسَ... جاء هم)

8۔ قہر الٰہی، انبیاء (ع) اور حقیقی مومنین کے شامل حال نہیں ہوتا (فَنُجِّیَ)

9۔ قہر و عذاب اور لطف و امداد دونوں خدا کے دست قدرت میں ہیں (نَصْرُنَا... بأسن)

10۔ قہر یا نجات کا انجام خود انسان ہی کے ہاتھ میں ہے (مَنْ نَشَاءُ ، مُجْرِمِينَ)

11۔ خداوند عالم کا ارادہ، قانون مند ہے (مَنْ نَشَاءِ وَلاَيُرَدُّ بَأْسُنَا عَنْ الْقَوْمِ لْمُجْرِمِينَ)

12۔ خدا کی راہ کہیں پر ختم نہیں ہوتی (إِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ... جَاءَ هُمْ نَصْرُنَا)

(یعنی جہاں پر لوگ راستہ کو بند پاتے ہیں اور اندھیرے کا احساس کرتے ہیں وہیں پر خدائی قدرت جلوہ نما ہوتی ہے)

13۔ قہر خدا کو کوئی طاقت ٹال نہیں سکتی (لَا يُرَدُّ بَأْسُنَا)

14۔انبیاء (ع) کی حمایت ، مجرمین کی ہلاکت ، سنت خداوندی ہے(جَاءَ هُمْ نَصْرُنَا، لاَ يُرَدُّ بَأْسُنَا)

آیت 111:

(111) لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُوْلِي الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ

''اس میں شک نہیں کہ ان انبیاء کے قصوں میں عقل مندوں کے واسطے (اچھی خاصی) عبرت و نصیحت) ہے یہ (قرآن) کوئی ایسی بات نہیں جو (خوامخواہ) گڑھ لی گئی ہو بلکہ (جو آسمانی کتابیں) اسکے پہلے سے موجود ہیں یہ قرآن ان کی تصدیق کرتا ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ایمان داروں کے واسطے (از سرتاپا) ہدایت و رحمت ہے''۔

نکات:

''عبرت'' و '' تعبیر'' یعنی عبور کرنا ، ایک واقعہ سے دوسرے واقعہ کی طرف عبور کرنا، '' تعبیر خواب'' یعنی خواب سے حقیقت کی طرف عبور کرنا۔ ''عبرت'' یعنی دیکھنے والی اور سنی جانے والی چیزوں سے ایسی چیز کی طرف عبور کرنا جو دیکھی اور سنی نہ جا سکیں ۔

'قصصهم" سے مراد شاید تمام انبیاء (ع) کی داستان ہو، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ حضرات یعقوب (ع) و یوسف (ع) اور ان کے بھائیوں اور عزیز مصر کی داستان مد نظر ہو جس میں تلخ و شیریں حوادث رونما ہوئے جو اسی سورہ میں آئے ہیں۔

پیام:

1۔داستانوں کے امتیاز کی سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ وہ نصیحت آموز ہوں۔ سورہ کے شروع میں ارشاد فرمایا: (نحن نقص علیک احسن القصص)اور آخر میں فرمایا(لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَ)

2۔قرآن مجید کی داستانیں چشم دید واقعات کو بیان کرتی ہیں اور عبرت آموز ہوتی ہیں (گڑھے ہوئے افسانے نہیں ہیں)(مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَى)

3۔ سچی اور حقیقی باتیں زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں۔(عبر...مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَى)

4۔فقط عقلمند افراد ہی داستانوں سے پند و عبرت حاصل کرتے ہیں (عِبْرَ لِأُوْلِي الْأَلْبَابِ)

5۔قرآن مجید دوسری آسمانی کتابوں سے جدا نہیں ہے بلکہ ان کی تصدیق کرتا ہے (ان کے شانہ بشانہ ہے) (تَصْدِيقَ الَّذِی...)

6۔قرآن مجید انسان کی تمام نیاز مندیوں اور احتیاجات کو بیان فرماتا ہے (تَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ)

7۔قرآن عظیم خالص ہدایت ہے اور کسی گمراہی سے آمیختہ نہیں ہے۔(هُدًى)

8۔فقط اہل ایمان ہی قرآنی ہدایت اور رحمت سے بہرہ مند ہوتے ہیں(هُدًى وَرَحْمَ لِقَوْمٍ يُمِنُونَ)

9۔نکتہ سنجی اور درس حاصل کرنے کے لئے عقل درکار ہے (عِبْرَ لِأُوْلِی الْأَلْبَابِ) لیکن نور اور رحمت الٰہی کو درک کرنے کے لئے ایمان بھی لازمی ہے(لِقَوْمٍ يُمِنُونَ)

10۔قرآنی قصوں سے عبرت اور نصیحت آموزی کسی ایک زمانے سے مخصوص نہیں ہے۔(لِأُوْلِی الْأَلْبَابِ)

اللّٰهم صل علی محمد و آل محمد و عجل فرجهم.

تمت بالخیر